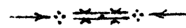
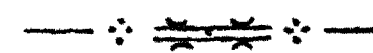
فہرست





مقدمہ

اس کتاب کے مصنف سعادت یارخان رنگین سید انشا کے گہرے دوست اور دہلی کے مشہور شاعروں میں ہیں ۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ "جب ۱۲۱۵ھ کو لکھنؤ میں چند اعزا اور احباب خاص کے مجمع میں اپنی اور مختلف شاعروں کی گزشتہ صحبتوں کا ذکر رہا تھا اور بیان کر رہا تھا کہ فلاں شہر میں فلاں شخص سے یہ گفتگو ہوئی اور فلاں سے یہ ۔ میرے دوست مرزا نعیم بیگ جوان نے فرمایا کہ اگر اس تقریر کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ ڈالو تو ایک یادگار باقی رہ جائے گی ۔ میر انشاء اللہ خاں نے بھی ان کی تاکید کی اور تمام اہل صحبت بھی مصر ہوئے آخر میں نے ان کی خاطر سے چند مجلسیں لکھیں ۔

اس کتاب کا نام سید انشاء اللہ خاں کا تجویز کیا ہوا ہے ۔ اور حق یہ ہے کہ مصنف کے نام اور کتاب کے موضوع کے اعتبار سے اس سے بہتر نام ملنا مشکل تھا ۔

"مجالس رنگین" نہایت دلچسپ اور پرازمعلومات کتاب ہے ۔ اس میں بہت سے ان شاعروں کا حال ملتا ہے جن کے بیان سے اکثر تذکرے خالی ہیں اور چونکہ رنگین کے تمام بیانات چشم دید ہیں لہذا مستند بھی ہیں جتنے آدمیوں کا ذکر آیا ہے ان کی فہرست مجلسوں کے حوالوں کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج ہے

اس کتاب سے رنگین کے زمانہ کے مذاقِ شعر۔ اُس دور کے لوگوں کی طبیعت۔ اور اس عہد کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خود رنگین کے بارے میں بھی اس کتاب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ باتیں کتاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے سے ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سعادت یار خاں رنگین کے والد محکم الدولہ طہماس بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ ایک معزز امیر تھے۔ ان کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ بادل کا پرگنہ چوراسی گاؤں کے ساتھ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ ۱۲۰۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر تیمور شاہ والی کابل کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ رنگین خود بھی معزز آدمی تھے۔ بڑے بڑے نوابوں اور منصب داروں سے بے تکلف دوستی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ نواب نجف علی خاں نے جب نواب مرزا جعفر کو کانوڑ سے دہلی بھیجا تو رنگین کو بھی دو سو سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ریواڑی کے شہر میں پہنچے تو وہاں کے راجہ متر سین نے ان کی بڑی پر تکلف دعوت کی۔ لشکر نارنول میں رنگین نواب اسمٰعیل خاں بہادر کے ساتھ تھے۔ نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے دستار بدل بھائی تھے اور انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر گوئی اور شعر خوانی کا شوق پیدا ہوا تھا۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ بچپن سے بے جھجک اور بیباک تھے اور بقول خود ان کے مزاج میں چالاکی زیادہ تھی اور شعور کم۔ چنانچہ ایک دن شاہ حاتم نے اپنے شاگردوں اور ارادت مندوں کے مجمع میں اپنا یہ مطلع پڑھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

رنگین نے سنتے ہی کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

لوگوں کو رنگین کی یہ گستاخی بری معلوم ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو یوں ہی لکھوں گا۔ اس واقعے سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ علامت فاعل (نے) کے حذف کو خلاف فصاحت سمجھنے لگے تھے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رنگین نے میر سوز کے اس مصرع پر بھی ع

"میں کہا دل میں درد ہے میرے"

یہ اعتراض کیا تھا کہ "میں کہا" غیر فصیح ہے۔

رنگین کوئی عالم و فاضل شخص نہیں تھے اور اُن کو علمیت کا دعویٰ بھی نہ تھا چنانچہ خود کہتے ہیں۔

"اگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ برداشتہ"

مرزا نعیم بیگ جوان نے جب یہ کتاب لکھنے کی فرمایش کی تو رنگین نے انکو یہ جواب دیا۔

"علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد۔ نظم من چیست کہ نثر خواہد بود"

اُس زمانہ کا ہر شریف آدمی تھوڑی بہت فارسی ضرور پڑھتا تھا چنانچہ رنگین بھی فارسی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فارسی نثر اچھی نہیں لکھتے تھے اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ان کی نثر میں کوئی حسن یا ادبیت تو خیر ہے ہی نہیں اس میں فارسیت کی روح بھی مفقود ہے۔ ان کا انداز بیان اور پرواز خیال دونوں بالکل ہندی ہیں۔ وہ سوچتے اُردو میں ہیں اور لکھتے فارسی میں ہیں۔ اسی لیے گو الفاظ سب فارسی ہیں مگر جملوں کی ساخت اُردو ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اسے اُسی نظر سے پڑھنا چاہیے جس نظر سے یہ لکھی گئی ہے یعنی "مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعا است"۔

"مجالس رنگیں" یقیناً نثر کی پہلی کتاب ہے جو رنگین کے قلم سے نکلی اور اُن کی تصنیفات کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نثر کی آخری کتاب بھی ہے۔ ان کی کسی دوسری نثر تصنیف کا پتہ اب تک نہیں چلا۔ ان کی فارسی نظم بھی سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ چند غزلیں اس کتاب میں جا بجا درج ہیں۔ اُن سے ان کی فارسی شاعری کا انداز معلوم ہو سکتا ہے۔

رنگین نے اپنا تخلص اپنی طبیعت کے مناسب رکھا تھا وہ ایک رنگین مزاج زندہ دل۔ یار باش۔ آزاد طبع۔ حسن پرست اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ (دیکھو

مجلس ۱۶ و ۴۰ و ۵۰) مگر اسی کے ساتھ خوددار بھی تھے اور اپنے خاص احباب یا نہایت خاص لوگوں کے سوا ہر شخص کے یہاں جانا آنا پسند نہیں کرتے تھے ۔ (دیکھو مجلس سی و کم)

نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے بڑے گہرے دوست تھے ۔ لڑکپن میں ان دونوں نے اپنی پگڑیاں بدلی تھیں ۔ یہ اُردو کے اچھے شاعر تھے ۔ انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعرخوانی اور شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا تھا ۔ رنگین شاہ حاتم سے اصلاح لیتے تھے اور شاہ صاحب کی رائے ابتدا ہی میں یہ تھی کہ کچھ مشق کے بعد یہ بہت ترقی کریں گے ۔ رنگین نہایت زود گو تھے اور اسی زودگوئی کی بدولت بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں ۔ مگر ان کے کلام میں حقیقی شاعری بہت کم ہے زیادہ تر ان کی توجہ محاورات کی درستی عبارت کی چستی اور الفاظ کی نشست وغیرہ کی طرف رہتی تھی ۔ ایک غزل اس شرط کے ساتھ کہی کہ حروف تہجی میں سے ترتیب وار ایک ایک حرف سے دو دو لفظ شروع ہوں ۔ قافیہ اور ردیف کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا تھا ۔ یہ غزل مجلس بست و دوم میں درج ہے ۔ باوجود انتہائی زودگوئی کے اس غزل کی تصنیف میں تین مہینے فکر کرنا پڑی ۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان کی یہ محنت "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ہے ۔ شاعری سے تو اس کو کوئی علاقہ نہیں البتہ الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل کرنے کی ایک اچھی مشق ہے ۔

اختلاف مذاق ہر زمانہ میں رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا ۔ رنگین کے زمانہ میں بھی کوئی

صاف شعر پسند کرتا تھا کوئی دقیق - خود رنگین کا خیال یہ تھا کہ صاف شعر اچھا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے - اس کے علاوہ صاف شعر میں محاورے اور اصطلاح کی غلطی اور کلام کی مہملیت چھپ نہیں سکتی - اور اسکی اچھائی برائی جلد معلوم ہو جاتی ہے - اس کے خلاف دقیق شعر میں اگر کوئی قباحت بھی ہوتی ہے تو عام لوگ اپنے فہم کا قصور سمجھکر خاموش ہو رہتے ہیں اور خاص لوگ بھی شبہے میں پڑ جاتے ہیں - اسی لیے صاف شعر کہنا دقیق شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہے -

رنگین توارد اور سرقے کی بحث کو فضول سمجھتے تھے - اُن کا خیال یہ تھا کہ مضمون کو جو شخص خوبی کے ساتھ باندھ دے وہی اسکا مالک ہے - یعنی وہ مضمونِ شعر کو انداز بیان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے -

رنگین کو میر حسن کی مثنوی اسقدر پسند تھی کہ وہ پسندیدگی کو لفظ عشق سے ظاہر کرتے ہیں - انھوں نے اس مثنوی کو نہایت تحقیق و تصحیح کے بعد اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا - پھر بھی چند مقامات پر کچھ شبہے رہ گئے تھے جن کو اُنھوں نے فیض آباد میں مصنف کے بیٹے میر خلیق سے پوچھکر دور کرنا چاہا تھا - جن شعروں میں رنگین کو شبہہ تھا وہ یہ ہیں ؂

معرّق جو اہر سے اک جفت کفش	نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش
کہا اس نے اس سے کہ سچ مچ ہے یہ	دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کھڑے ارنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ	کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار	نہو تجھ سے مایوس امیدوار

ان میں سے پہلے شعر کے معنی رنگین کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور باقی شعروں کے قافیے مشتبہ معلوم ہوتے تھے۔

میر سوز کی شاعری رنگین کو پسند نہ تھی۔ مگر اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے تھے۔ رنگین نے بہت سے شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف میر کو "حضرت میر تقی صاحب" لکھا ہے۔ اس عزت سے کسی دوسرے شاعر کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر اعتراض سے اُن کو بھی نہ چھوڑا۔ اُن کو میر کے کلام پر خاص اعتراض یہ تھا کہ وہ لفظوں کو تنگی سے نظم کرتے ہیں مثلاً ؎

سارے رند او باش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ترچھے ٹیڑھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

رنگین سید انشا کو باکمال اُستاد سمجھتے تھے اور اُن کی شاعری سخن فہمی اور انتخاب الفاظ کے قائل تھے (دیکھو مجلس بیست و چہارم)

رنگین کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا اور ان کے ہمعصر بھی ان کے اس کمال کے معترف تھے۔ یہاں اُن کی بدیہہ گوئی کی مثالیں پیش کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کتاب کا ہر ورق اُن کے اس وصف پر شاہد ہے۔

عیوب کلام پر رنگین کی نظر فوراً پڑتی تھی۔ کسی کے کلام پر اعتراض کر دینا تو کوئی

بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر رنگین میں کمال یہ تھا کہ ادھر اعتراض کیا اور اُدھر اصلاح دیکر شعر کو درست کر دیا یا اُس سے بہتر شعر فوراً کہدیا۔ وہ اعتراض کرنے میں بڑے بیباک تھے لیکن بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑجاتی تھی تو اعتراض کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ اپنے ہمعصروں کے علاوہ شاہ حاتم میر سوز۔ مرزا سودا۔ میر تقی میر کے کلام پر بھی جا بجا اعتراض کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سبحان قلی بیگ راغب کے اصرار سے رنگین نے میاں نصیر کے ایک مطلع میں ایک لفظ بدل دیا۔ اس کی خبر میاں نصیر کو پہونچی تو وہ رنگین سے آزردہ ہو گئے اور بڑی مشکل سے ایک مدت کے بعد صفائی ہوئی (دیکھو مجلس یازدہم)

رنگین ریختی کے موجد تھے۔ بعض لوگوں نے عادل شاہی دور کے ایک قدیم دکنی شاعر ہاشمی بیجاپوری کو ریختی گو کہا ہے۔ ہاشمی غزل میں ہندی شاعری کے طرز پر عورت کا عشق مرد کے ساتھ دکھاتا تھا۔ لیکن ریختی حقیقت میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جسمیں عورتوں کی زبان اور اُن کے مخصوص محاورات استعمال کیے جائیں۔ اس تعریف پر نظر رکھ کر ہاشمی دکنی کو ریختی گو کہنا مشکل ہے۔ رنگین نے ریختی کا ایک پورا دیوان تصنیف کیا تھا جس میں قصیدے۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ رباعیاں۔ قطعے۔ مخمس اور مستزاد بھی تھے۔ اُن کی ریختی کی غزلیں ان کی زندگی ہی میں دور دور تک مشہور ہو گئی تھیں اور خوشی کے جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔

ریختی کے علاوہ ہزل کہنے کا بھی ملکہ تھا۔ مگر ہزل میں اکثر فحش بھی شامل کر دیتے تھے

ان کی چند ہزلیں اور چند متفرق ہزلیہ اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں جہاں کہیں فحش الفاظ تھے وہ حذف کر کے ان کی جگہ نقطے دیدیے گئے ہیں۔

رنگین کو ہندی شاعری میں کچھ زیادہ دخل تو نہ تھا لیکن کبھی کبھی کبت اور دوہے بھی لکھ لیتے تھے

رنگین کا حافظہ بہت قوی تھا اور ہزاروں شعر یاد تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کے بہت سے شعر زبانی پڑھکر سنا دیے یہ تمام شعر جو تعداد میں ۹۴ ہوتے ہیں آخری مجلس میں درج ہیں

رنگین منصف مزاج آدمی تھے۔ جہاں وہ دوسروں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر دیتے تھے وہاں اپنے کلام پر اعتراض سن بھی سکتے تھے۔ صحیح اعتراض کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کوئی مناسب اصلاح دیتا تو اُسکو مان بھی لیتے تھے۔ اگر کسی کا شعر اُن کے شعر سے اچھا ہوتا تھا تو اسکو تسلیم کر لیتے تھے۔ لیکن صاف گو اتنے تھے کہ اگر اپنے شعر کو کسی کے شعر سے بہتر سمجھتے تھے تو اُس کے منھ پر صاف صاف کہدینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

رنگین نے ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی تھی جن شہروں کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے انکی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ مکہ کے سفر کا بھی ارادہ کیا تھا اور کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ مگر اُس زمانہ میں بحری سفر میں ہزاروں مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ رنگین کو کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہوئی اور وہ خارش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کلکتہ سے مدراس تک پہونچتے پہونچتے ایسے اپنی زندگی سے بیزار ہوئے کہ یہ مطلع اپنے حسب حال کہا۔

دم آیا ناک میں اس آہ اور زاری کے جینے سے طبیبو موت بہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

جہاز کے ناخدا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکہ نہیں بلکہ بصرہ جائیگا۔ جو لوگ حج کے ارادے سے سوار ہوئے تھے انھوں نے بہت خوشامد کی تو اُس نے انکو پھر کلکتہ روانہ کر دیا۔ رنگین کو جہاز کے سفر میں جتنی تکلیف ہوئی تھی وہ ان کے اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے:-

"حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نہ کناد"

لکھنؤ میں رنگین اور انشا دونوں شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان کی سرکار میں ملازم تھے اور دونوں میں بیحد ربط ضبط تھا چنانچہ انشا نے یہ شعر اُسی زمانہ کی یاد میں کہا ہے ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا ۔ ہم اِک بیٹھتے تھے جب سعادت یار خاں اور ہم

اس کتاب میں جہاں کہیں "مرشد زادہ" "یا مرشد زادہ آفاق" کے الفاظ آئے ہیں وہاں بھی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

آخری مجلس میں رنگین نے اپنے دس شاگرد بتائے ہیں اور ان میں سے نو کے نام بھی دیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) میر سید علی غمگین ۔ (۲) بسنت سنگھ نشاط۔
(۳) آفتاب خاں منیر۔ (۴) محمدی خاں (تخلص نہیں دیا)۔
(۵) راجہ کدارناتھ نسیم۔ (۶) راجہ تبنکرناتھ صبا۔
(۷) ایک عورت چھناں تخلص۔ (۸) آدم بیگم بیغم۔

(۹) عزیز طوائف عزیز

اس کتاب میں رنگین کی تین اور تصنیفوں کا ذکر آیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) **مثنوی شہزادہ مہ جبین ورانی سری نگر نازنین**۔ یہ اردو زبان میں ایک عشقیہ مثنوی ہے اس کے چند شعر مجلس دوم میں نقل کیے گئے ہیں۔

(۲) **مثنوی سہر تاجر اصفہانی**۔ یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اور سبحان قلی بیگ راغب کی فرمایش سے تصنیف کی گئی تھی اسکے چند شعر مجلس بست وسوم میں درج ہیں۔

(۳) **ایجاد رنگین**۔ اس میں بہت سی حکایتیں ہیں جو اردو میں نظم کی گئی ہیں مجالس رنگین میں بعض حکایتوں کی شان نزول متفرق مقامات پر درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں مجالس رنگین سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انکی تصنیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ فہرست تصانیف مقدمہ کتاب کے بعد لگا دی گئی ہے۔

رنگین کے بارے میں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ لکھا جا چکا۔ اب وہ متفرق باتیں لکھی جاتی ہیں جن کا ذکر صرف ضمناً آگیا ہے اس لیے ان کے نظر انداز ہو جانیکا خوف ہے ان باتوں کے ذکر میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱) ایک دستہ فوج میں بارہ ہزار سوار ہوتے تھے اور ایک کمپو میں سات آٹھ ہزار سپاہی ہوتے تھے۔

(۲) رنگین کے زمانہ میں امیروں کے یہاں پُر تکلف دعوتوں کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہوتا تھا۔

(۳) اس زمانہ میں نواب آصف الدولہ فرمانروائے اودھ کی شاعری کی شہرت دُور دُور تھی۔ اُن کی غزلیں اتنی مقبول تھیں کہ ارباب نشاط ان سے خوشی کی محفلیں گرم کرتے تھے۔

(۴) میموں یعنی انگریز عورتوں کو اس زمانہ کے لوگ بی بی صاحب کہتے تھے۔

(۵) اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی گہرے دوست کو اپنا بھائی بنانا چاہتے تھے تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے۔

(۶) اس زمانہ میں شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ دہلی کے شاعروں کو خاص اعزاز و امتیاز حاصل تھا۔ لوگ میر اور سودا کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ میاں نصیر کی مشاقی کا سکہ بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو شاعروں میں تہ دار۔ دقیق اور مشکل شعر کہنے والا میاں نصیر کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

(۷) اس زمانہ میں جہاز پر سفر کرنیوالوں کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ رنگین نے اسوقت کے جہازوں کی شکل صورت۔ لمبائی۔ چوڑائی وغیرہ کا تفصیلی ذکر مجلس پنجم و ہفتم میں کیا ہے۔

(۸) تیمور شاہ والیٔ کابل نے ۱۲۰۲ھ میں اسد یار خاں دُرّانی کو اپنا ایلچی بنا کر تحفے تحائف ساتھ کر کے شاہ عالم بادشاہ دہلی کے پاس بھیجا۔ وہ تین مہینے تک دہلی میں مقیم رہے

جب رخصت ہونے لگے تو شاہ عالم نے رنگین کے والد طہماس بیگ خاں کو اپنی طرف سے ایلچی بنا کر اس ملک کے تحفوں کے ساتھ انکے ہمراہ کابل بھیجا۔ بادشاہ نے طہماس بیگ خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مہاراجہ پٹیل بہادر کے پاس ہوتے ہوئے جائیں جو اس زمانہ میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم میں مصروف تھے۔ اس سفر میں رنگین اور انکے تین بھائی محمد یار خاں۔ حق وردی خاں۔ اور خدا وردی خاں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ رنگین لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ دہلی سے روانہ ہو کر کوٹا بوندی کے نواح میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام ملک مرہٹوں کی تاخت سے بےچراغ ہو گیا ہے اور ہزاروں مرہٹہ سوار قزاقی کر رہے ہیں۔

مجالس رنگین کا جو نسخہ میرے کتبخانہ میں ہے وہ ۱۲۶۹ھ میں "مطبع محمدی" میں چھپا تھا۔ ایک نسخہ محترمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے کتبخانہ میں بھی موجود ہے مگر وہ بھی اسی مطبع اور اسی سنہ کا چھپا ہوا ہے۔ لندن میں "انڈیا آفس" کے کتبخانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کی تاریخ تحریر ۵ جمادی الاولی ۱۲۴۹ھ ہے۔ ایک قلمی نسخہ اور بھی ہے مگر اُن تک میری رسائی نہیں۔ بہرحال اسکا کوئی دوسرا ایڈیشن یا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ اس لیے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکا۔ لیکن یہ نسخہ بہت صاف خوشخط اور صحیح چھپا ہوا ہے۔ ایسے مقامات جو کسی قدر مشتبہ ہیں دو تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ مجلس بست و یکم میں "پادشاہ عالم شاہ" چھپا ہوا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں اس

کھلی ہوئی غلطی کو دور کردیا اور اُس کی جگہ "شاہ عالم بادشا" لکھدیا ہو بعض اشعار میں سے فحش الفاظ نکالکر انکی جگہ نقطے لگادیے ہیں اور تہذیب کتابت زمانۂ حال کے مطابق کردی ہے۔ اس کے علاوہ متن کتاب میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے

سید مسعود حسن رضوی۔ ادیب

۱۴ر اگست سنہ ۱۹۲۹ء



تصنیفاتِ رنگین



رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کو کئی مجموعوں میں تقسیم کر کے ہر مجموعے کا ایک نام رکھ دیا تھا۔ مثلاً "مثلث رنگین" "خمسۂ رنگین" "شش جہت رنگین" "سبعہ سیارہ رنگین" "نورتن رنگین"۔ اُن کی اکثر کتابیں خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لندن میں "انڈیا آفس" کے کتبخانہ میں موجود ہیں اُنکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دیوان ریختہ۔ پہلا دیوان

(۲) دیوان ریختہ۔ دوسرا دیوان

(۳) دیوان آمیختہ۔ ہزلیات

(۴) دیوان انگیختہ۔ ریختی

(۵) مجموعۂ رنگین۔ سات زبانوں میں سے قصائد و غزلیات وغیرہ کا مجموعہ۔

(۶) مجالس رنگین

(۷) امتحان رنگین

(۸) اخبار رنگین چشم دید واقعات نظم ہیں۔

(۹) ایجاد رنگین۔ حکایات منظوم

(۱۰) عجائب و غرائب رنگین

(۱۱) شہر آشوب۔

(۱۲) کہاوتہائے رنگین۔

(۱۳) حکایات رنگین

(۱۴) چہار چمن رنگین۔ اس کتاب میں چار باب ہیں اول در معاد۔ دوم در معاش سوم در ظرافت چہارم در تصوف۔

(۱۵) نظم رنگین۔ سو حکایتوں کا مجموعہ۔

(۱۶) داستان رنگین۔ سرگزشت آغا عزیز سوداگر گجرات۔

(۱۷) جنگ نامۂ رنگین۔

(۱۸) نصاب رنگین۔

(۱۹) مثنوی فارسی بطرز مثنوی مولانائے روم

(۲۰) تصنیف رنگین

(۲۱) گلدستۂ رنگین۔

(۲۲) سبحۂ رنگین۔

(۲۳) رنگین نامہ۔

(۲۴) ساقی نامۂ رنگین۔

(۲۵) تجربۂ رنگین۔

(۲۶) کلام رنگین۔

(۲۷) فرس نامۂ رنگین۔ جس کا دوسرا نام "اسپ نامہ" ہے۔

(۲۸) قوت الایمان۔ عقائد اسلام میں۔

(۲۹) قصیدہ قادریہ کا منظوم ترجمہ۔

(۳۰) قصیدہ "بانت سعاد" کا منظوم ترجمہ۔

(۳۱) سودا کا ایک قصیدہ رنگین کی اصلاح و ترمیم کے ساتھ۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک مجموعۂ انتخابات بھی ہے جس میں رنگین کی کئی کتابوں کے انتخابات کے علاوہ ایک مثنوی بنارس کی تعریف میں اور مفتوں، نثار، میر اور ذوق کے پانچ مطلعوں کی تضمینیں بھی شامل ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد حمد واور داد ار ونعت احمد مختار صلی الله علیه وآله الاطهار واصحابه الکبار این چند
نکات خادم الشعرا سعادت یار خاں رنگیں ولد محکم الدوله طهماس بیگ خاں بهادر
اعتقاد جنگ بمعرض تسطیر درآورده نارسائی ذهن بر مبصران نقود معانی روشن کرده
واگرچه گمان هیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجمله از شعر وشاعری
بهره برداشته بقول حضرت سعدیؒ۔ نظم

گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم که مشکی یا عبیری — که از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
کمالِ همنشیں در من اثر کرد — وگرنه من همان خاکم که هستم

روزے از روزها در عهد شاه عالم بهادر پادشاه عالم غازی سنه ۴۲ مطابق هجری
دوازده صد وپانزده بتاریخ هفدهم رجب در لکهنؤ بنده ومرزا نعیم بیگ صاحب
که جوان تخلص میفرمایند وبسیار دوست بنده اند وبرادر صاحب مهربان انشاالله خان صاحب

که انشا تخلص می فرمایند و برادر خواندهٔ بنده اند و نواب معتمد الدوله صوفی آقا یار بیگ خاں
بهادر شهامت جنگ که برادر کلاں حقیقی بنده اند و مرزا حاجی بیگ صاحب و میر گدائی
صاحب وغیره باہم نشسته بودیم بنده ذکر صحبتهاے گذشته که با شعرا اتفاق افتاده بود
بفصاحت کلامی بیان می نمود که در فلاں مکان چنیں اتفاق شده و در فلاں شهر
ایں واردات گذشته بود مرزا نعیم بیگ صاحب از راه مهربانی فرمودند که اگر ایں تقریر
را مع نظم و نثر بر چند اوراق بر نگارند یادگارے باند چرا که بفضل الٰہی نقادی فکر ایشاں
آں مرتبه رسیده که در کلام اکثر دخل معقول را سزاوار شدند و قدرت بدیهه گوئی زیاده
از حد پیدا کرده اند گفتم مرزا صاحب علم اصلا ندارم اگر نوشتم چه تکلف پیدا خواهد کرد
نظم من چیست که نثر خواهد بود بقول فردوسی طوسی ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی | که با آسماں نیز پرداختی

فرمودند که در نظم خود نامے پیدا کرده اند نثر هم بنویسند مطلب از عبارت نیست مدعا از
مدعا ست بقول سعدی ۔

وصف ترا گر کند ور نه کند اہل فضل | حاجت مشاطه نیست روی دلارام را

گفتم شوق شعر البته دارم لیکن مزاج بطرف باریکی مائل افتاده انچه که خود نظم
کرده ام هر گاه بچشم باریکی و نگاه عداوت غور مینمایم بیشترے معنی پوچ معلوم میشود
بو صدہا قباحت دست بسته حاضر می گردند کاش ایں قدر سعی و نگاه عداوت
صرف کلام خود سازم بقول شخصے که گفته ۔

عیوب این و آں چوں وزر روشن بود بر بینش　　　چو دیدم عیب خود و بینی بستم چشم و شب کردم

میر انشاء اللہ خاں فرمودند کہ ضرور باید نوشت و نام این نسخہ مجالس رنگیں باید نوشت
ہر گاہ ہر یک مجوز ایں امر گردید ناچار بپاس خاطر آنہا چند مجلس از نظم و نثر بہ نوک
قلم در آوردہ نام این نسخہ مجالس رنگیں نہادم توقع کہ پسند رائے راست پنداں گردد

مجلس اوّل (در شاہ جہان آباد)

از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم شاہ بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیۂ شاہ تسلیم شاہ کہ پائیں قلعہ مبارک ست تا شام نشستہ میماندند اکثر شاگردان و مردم دیگر کہ در خدمت اوشان بندگی داشتند آں وقت آنجا رفتہ حاضر میشدند چنانچہ بندہ ہم شاگرد اوشاں بود روزے در ایام تو مشقی ہماں تکیہ در خدمت شاہ صاحب موصوف بندہ و محمد اماں خاں نثار و لالہ مکند رائے فارغ و مرداے اکبر علی اکبر وغیرہ چند شاگردان دیگر حاضر بودیم حضرت شاہ صاحب فرمودند کہ شب مطلع گفتہ ام۔

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　　رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

چونکہ در مزاج چالاکی بسیار بود و شعور کم بے تکلف از راہ نادانی گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصرعہ ثانی ایں قسم ارشاد شود بہتر ست۔

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　　ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

بمجرد شنیدن ایں دست بندہ را قریب خود کشیدہ دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ آفریں صد آفریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں بسیار ترقی خواہد کرد ایں مثل از زبان ارشاد فرمودند۔

"ہون ہار بروے کے چکنے چکنے پات"

شخصے از حاضران مجلس اظہار کرد کہ ایں قدر گستاخی لازم نبود فرمودند کہ واللہ در دیوان ہمیں قسم خواہم نوشت و ایں قطعہ بر زبان آوردند۔

من وآں سادہ دل کہ عیب مرا ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ چو شانہ بصد زبان و دو رو پس سر رفتہ موبمو گوید

مجلس دوم

در ایامے بہ شاہجہان آباد روزے مثنوی شاہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین کہ تصنیف بندہ است روبروئے برادر صاحب مہربان مرزا سبحان قلی بیگ راغب میخواندم بجائے رسیدم کہ مہ جبین تصویر رانی را دیدہ بیہوش شدہ بود۔

دیکھنے سے ہوا جو عشق کا جوش گر پڑا ہو کے مہ جبیں بیہوش
سن کے یہ دوڑے سب صغیر و کبیر غش کی کرنے لگا ہر اک تدبیر
کوئی بولا کہ کیوڑا لاؤ کوئی بولا گلاب منگواؤ
گھس کے صندل کوئی لگانے لگا بید مشک آ کوئی پلانے لگا

اوشاں فرمودند کہ در شعر آخر غلطی محاورہ است یعنی صندل را می چسپانند نہ کہ می پوانند

پس ایں را ایں قسم باید نوشت ؎

گھس کے صندل کوئی لگانے لگا — بید مشک آ کوئی پلانے لگا

گفتم راست فرمودند لیکن بردر دسر محاورہ چسپانیدن بر زبان می آرند و در غسل لوبانیدن

استعمال می نمایند ایں را شنیدہ فرمودند کہ از حق نباید گذشت راست تقریر نمودند

مجلس سوم

در شاہجہان آباد برادر صاحب مرزا سبحان قلی بیگ آغب و برادر صاحب

سید انشاء اللہ خاں و بندہ بحسب اتفاق برائے سیر دریا بر گھاٹ نگمو رفتہ بودیم

دریا را در کمال طغیانی دیدہ مرزا سبحان قلی بیگ بدیہہ ایں مصرع فرمودند۔

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

بمجرد خواندن اوشاں فی الفور مصرع ثانی بہم رسانیدہ گفتم کہ مطلع حسن است

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے — تا ملے کس کو کدھب گھاٹ ہے

ایں شنیدہ ہر دو صاحبان تحسین و آفریں کردند۔

مجلس چہارم

بہ شاہجہان آباد در مجلس شادی شخصے بندہ و برادر مرزا سبحان قلی بیگ و دیگر

مردم بسیار نشستہ بودیم ذکر رُباعیات فارسی بود ہر یکی رُباعی خوب از ہر یک اُستاد میخواندند مرزا موصوف فرمودند کہ اُستاد من یعنی مرزا باقر مرحوم بہادر جنگ خود نوشتہ اند کہ بہتر ازیں رباعی ممکن نیست۔

مجنوں بہوای روی لیلیٰ در دشت — در دشت بجست وجوی لیلیٰ می گشت
می گشت ہمیشہ بر زبانش لیلیٰ — لیلیٰ می گفت تا زبانش می گشت

گفتم واقعی رُباعی بسیار نادر ست لیکن دو جا قافیہ می گشت بر یک معنی نشست یافتہ معنی دیگر در عقل نمی آید سبب چیست چوں ہمہ صاحبان غور فرمودند معنی دیگر سوای گردیدن از می گشت پیدا نشد بندہ گفت کہ یک جا معنی می گشت گردیدن ست و بجای دوم شاید مراد این ست یعنی تا کہ با قید حیات بود ایں را شنیدہ ہمہ صاحبان پسند فرمودند بعد ازاں بندہ بقدر حوصلہ خود بدیہہ ایں رباعی در زبان ہندی ہماں طرز عرض کردم لیکن درآں مضمون لیلیٰ و مجنوں بود بندہ مضمون شیریں و فرہاد بست

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد — یاد اُسکی ہی ہا اپنے دل کو کہتا وہ شاد
شاد اُسکا ہمیشہ ذکر رکھتا اُسکو — اُس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

بعد استماع ایں حاضران مجلس مجوز ایں امر گشتند کہ چند رباعی دیگر از مشق سابق باید خواند بپاس خاطر آنہا ایں چند رباعی خواندم۔

رنگین اک وضع پر گذارا نہ ہوا — گذرا جو کچھ وہ پھر دوبارا نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اُس نے — چاہا اُس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

دیگر

رنگیں نیکی سے ہاتھ ہم نے دھویا — اور تخم بدی کو کشتِ دل میں بویا
جو عہد کر آئے تھے وہ ہم سے نہ نبھا — افسوس کہ زندگی کو یوں ہیں کھویا

دیگر

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ — راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ
رنگیں کہتا ہے تو نہ سُن دونوں کی — تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ

دیگر

رنگیں دل کس طرح کسی کو دیجے — اور ہاتھ میں کیونکر دل کسی کا لیجے
ہرگز نہیں دنیا میں کسی کا کوئی — کس کے ہو رہیے کس کو اپنا کیجے

دیگر

رنگیں کوشش میں تو نے تقصیر نہ کی — وہ کام نہیں کہ جس کی تدبیر نہ کی
لیکن افسوس ہے کہ ناداں تو نے — کچھ خانۂ آخرت کی تعمیر نہ کی

دیگر

اے موجدِ عیش و کامرانی پھر آ — اے باعثِ لطفِ زندگانی پھر آ
میں ہوں بن تیرے چشمِ خوباں میں ذلیل — پھر آ تو اے مری جوانی پھر آ

مجلس پنجم

در شاہجہان آباد روزے بخانہ برادر صاحب نواب بہادر بیگ خاں کہ غالب

تخلص میفرمایند وارد شدیم او شان غزل خود رو بروے بندہ خواندند مطلعش ایں بود

شیشے کے بند وا کر ساغر کو تو پیا کر عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

بندہ را ایں شعر بسیار پسند آمد بدیہہ در جواب ایں مطلع عرض کردم و در مقطع مصرع او

او شاں تظمین نمودم ؎

کس مست کی نگہ کی یہ بدشرابیاں ہیں اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

بوسے چمٹ کے لے لے رنگیں بقول غالب عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

شخصے از حاضران مجلس گفت کہ مضمون مطلع بعینہ مطلع مرزا رفیع است گفتم کدام است

ایں مطلع خواند ؎

ساقی چمن میں کس کی ہیں یہ بدشرابیاں ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

گفتم سوائے قافیہ مضمون دیگر نیست و بر قافیہ حکومت کسے پیش نمیرود و سرقہ ایں را

میگویند کہ حضرت مرزا رفیع فرمودہ اند شعر فارسی از کدام اُستاد ایں بود ؎

بہار بے سپر جام یار می گذرد نسیم ہمچو خدنگ از کنار می گذرد

آں را او شاں ایں قسم فرمودہ اند ؎

بہار بے سپر جام یار گذرے ہے نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے

و شعر دیگر از کدام اُستاد ایں بود ؎

آلودہ ز قطرات عرق دیدہ جبیں را اختر ز فلک می نگرد روئے زمیں را

آں را او شاں ایں طور فرمودہ اند ؎

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک تک سے زمیں کو
ایں راشنیدہ خجالت کشیدہ عذر ہا خواستند۔

مجلس ششم

درشاہجہاں آباد بھوے خاں کہ آشفتہ تخلص میفرمایند و مہربان بندہ اند۔
روزے غزل خود روبروے بندہ میخواندند و سہ جا دخل گستاخانہ کردم ازانجا کہ
بسیار منصف اند و تکلف در مزاج ندارند قبول فرمودند حسن مطلع آں غزل ایں بود ؎
پنڈت پوچھو ہات دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں
گفتم در مصرع اوّل لفظ کوئی پر بے مصرف است اگر ایں قسم فرمایند بہتر باشد ؎
پنڈت پوچھو ہات دکھاؤ فال کھلاؤ حاصل کیا بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں
ومقطع ایں بود۔ ؎
جوگ تجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں
اظہار کردم کہ از لفظ جوگ تجا شعر بے معنی می شود بسبب اینکہ تجا بمعنی گذاشتن ہست
پس اگر جوگ را گذاشتند از کدام چیز خوار و پریشاں می گردند باید گفت کہ ؎
جوگ سجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں
بسکہ راست پسند ند و مدام راستی پیشہ او شان ہست فرمودند کہ مرا عکس ایں معلوم بود
گفتم خیر غرض ہر جا کہ دخل کردم بے قیل وقال از راہ منصفی قبول فرمودند۔

مجلس ہفتم

در شاہجہاں آباد بہ محفل پسر حضرت میر سید صاحب مرحوم یعنی میر سید علی کہ شاگرد بندہ اند و غمگیں تخلص میفرمایند وارد بودم او شاں این مطلع میاں جرأت را خواندند و بہ بندہ فرمودند کہ چیزے بدیہہ بگوئید ؎

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر میں آن کر — چپکے چپکے روتے ہیں منہ پر دوپٹا تان کر

فی الفور این مطلع و حسن مطلع عرض کردم و بعد چند روز غزل تمام نمودم۔

یوں کہوں اُسکو کہ آیا ہوں یہ جی میں ٹھان کر — چین دے مجھ کو کہیں اپنے خدا کو مان کر

بازگشتی تیر ہے پھر کر یہ تیرا دیکھنا — صدقے تیری اس ادا پر سے مجھے قربان کر

کھوئی غفلت میں جوانی دیکھ پیری میں تو چیت — صبح صادق ہو گئی چلنے کا کچھ سامان کر

سوچ جی میں مرے ہوتے غیر کو گردن نہ مار — قتل کرتا ہے تو کر ظالم و لے پہچان کر

دیکھ مجھ کو دور سے دینے لگا تھا گالیاں — جی میں کیا گذرا تھا کل تیرے ادھر تو دھیان کر

آج آنا ہی نہیں آتا تو دے مجھکو جواب — بھیج کر پیغام جھوٹے یوں مت حیران کر

دل بغل سے لے گئی رنگیں وہ دزدیدہ نگاہ — ورنہ دل دیتا ہے کون اپنا کسی کو جان کر

مجلس ہشتم

در شاہجہاں آباد روزے در دیوان خانہ برادر صاحب مسیح الزماں حکیم محمد اشرف خاں کہ حکیم تخلص می فرمایند و بندہ را برادر خواندہ اند حکیم ثناء اللہ خاں فراق و اشخاص چند

گرم اختلاط بودیم خاں صاحب موصوف فرمودند کدام غزل بخوانید بموجب ارشاد

ایں غـــزل خواندم۔

کبھی تم میرے تقتل پر اگر آتے تو کیا ہوتا
اور اُس جا اشک آنکھوں میں جو بھر لاتے تو کیا ہوتا

کھلائے پان تم نے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے
جو غیرت کھا کے ہم کچھ کھا کے مر جاتے تو کیا ہوتا

اندھیری رات ہے ساون کی چھاجوں مینھ برستا ہے
اکیلا اُسکو ہم اس وقت گر پاتے تو کیا ہوتا

وہ آیا تھا یہاں اے حضرت دل بھول کر شب کو
جو تم اس وقت پہلو سے نہ چلاّتے تو کیا ہوتا

وہاں اپنی ہی اپنی پڑ گئی اے ہمدمو جا کر
کوئی مطلب کی میرے بات فرماتے تو کیا ہوتا

نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم
اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

دلائیں گالیاں غیروں سے لاکھوں تمنے رنگیں کو
بھلا اُس وقت وہ جی سے گذر جاتے تو کیا ہوتا

چوں ایں غزل را تمام کردہ ایں حسن مطلع غزل دیگر روبروے اوشاں خواندم۔ ؎

تیرے گل تکیوں کے خاطر یہی لازم ہے کہ ہو
ایک تو شمس کا اور ایک قمر کا تکیہ

ثناء اللہ خاں صاحب فرمودند کہ بعینہ شعر من ست گفتم ارشاد شود ایں شعر خواندند ؎

تیرے گل تکیوں کی خاطر تو اب اے راحت جاں
یہ مناسب ہے کہ ہو شمس و قمر کا تکیہ

عرض کردم کہ بندہ شعر آں قبلہ نشنیدہ بود توارد شدہ است لیکن شعر بندہ خوب است

چونکہ کمال منصف اند فرمودند بجاست۔

مجلس نہم

درشاہجہاں آباد روزے بسنت سنگھ کہ نشاط تخلص می فرمایند وشاگرد بندہ اند نزد بندہ آمدہ ایں مطلع حضرت میر تقی صاحب خواندند۔ ؎

یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں

و اظہار نمودند کہ بجواب ایں بندہ ہم غزل گفتہ مطلعش ایں ست۔ ؎

گھر سے اپنے نہ تو نکال ہمیں یوں جو چاہے تو مار ڈال ہمیں

گفتم بسیار خوب مطلع ست دریں اثنا آدم بیگم صاحب کہ نعیم تخلص می نمایند واز بندہ اصلاح میگیرند آمدہ کاغذ بدست بندہ دادو دراں ایں غزل برائے اصلاح نوشتہ بودند

ملتا ہی نہیں سراغ دل کا ہے عرش پر اب دماغ دل کا

گر عشق میں بیکلی نہ ہووے سر سبز رہے یہ باغ دل کا

یہاں آتش ہجر سے شب و روز دہکے ہے پڑا و داغ دل کا

ہے بادۂ غم سے تیرے ظالم لبریز مرا ایاغ دل کا

ہے منت سنات سے تو نعیم بخشے تجھے حق فراغ دل کا

و بعد غزل نوشتہ بودند کہ امروز اینجانبہ ایں مطلع انشاء اللہ خاں را بر یک کتاب نوشتہ دیدہ بودم ؎

کیا فائدہ خالی جو ملاقات کی ٹھہرے تب خوش ہو مرا دل کہ جب اس بات کی ٹھہرے

اینجانبہ در جواب ایں مطلع گفتہ است۔ ؎

خالی ہی اگر اُس سے ملاقات کی ٹھہرے　　کافر ہو جو پھر چاہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

پس لازم کہ اصلاح نمودہ در جواب غزل و مطلع آں صاحب ہم فکر نمودہ بنگارند بندہ فی الفور بر پشت ہماں کاغذ ایں غزل نوشت ۔

تا حشر رہے یہ داغ دل کا　　یارب نہ بجھے چراغ دل کا
ہم سے بھی تنک مزاج ہے یہ　　پاتے ہی نہیں دماغ دل کا
اُس رشک چمن کی یاد میں ہے　　شاداب ہمیشہ باغ دل کا
جینے کی جہاں میں اُسکو لذت　　جس شخص کو ہو فراغ دل کا
معلوم نہیں کسی کو رنگیں　　دے کون ہمیں سراغ دل کا

در جواب مطلع ایں قطعہ نوشتم ۔

اک غرفہ نشیں دیکھ کہا دل نے کہ رنگیں　　کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھہرے
نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو وو یاں　　اُسنے یہ کہا حرف و حکایات کی ٹھہرے
جب حرف و حکایات بہم ہونے لگے خوب　　بولا کہ کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے
مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے　　اب دل ہی کہتا ہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

مجلس دہم

در شاہجہاں آباد روزے بخانہ میرزا سبحان قلی بیگ کہ راغب تخلص بمجرد رسیدن بندہ فرمودند کہ دیروز شخصے یک نقل روبروئے ایجانب کردہ بود تمام شب در فکر نظم آن بودم

اتفاق نشد گفتم نثر آں ارشاد شود نقل کردند کہ یک شخص رند مشرب بسیار مفلس بود روزے بز شخصے را ذبح کردہ خورد یکے از دوستان او گفت کہ شرم از خدا و ترس از روز جزا نداری فردائے قیامت چہ جواب خواہی داد گفت منکر خواہم شد مالک بز درانجا شاہد از کجا خواہد آورد کہ مرا دروغ گو خواہد کرد آں شخص گفت کہ مالک بز از تو درخواست بز خواہد کرد و بز حاضر شدہ از زبان خود اقرار خواہد کرد کہ مرا ذبح کردہ بود مرد رند گفت ہرگاہ کہ مالک بز دعوی بز خواہد کرد و بز حاضر خواہد بود پس چہ غم ست گوش بز گرفتہ بدست مالک آں خواہم سپرد و خواہم گفت کہ مال خود بگیرید ہرگاہ ایں نقل تمام شد گفتم واقعی قابل نظم کردن ست و دوات و قلم و کاغذ حاضر بود در عرصہ سہ چہار گھڑی ایں قسم نظم کردم ـ

شخص تھے ایک رند وضع لیک تھے مفلس کمال — کھا گئے وہ ایک کی بکری کو کرکے حلال
انکے جو رنگیں تھے یار آکے انہوں نے کہا — سنتے ہو اے مہرباں تم کو یہ لازم نہ تھا
رندوں کے مشرب میں خوب ہی تم چھا گئے — مال تھا بیگانہ وہ کیوں اسے تم کھا گئے
خوف قیامت کا کچھ رکھتے نہیں آہ تم — روز جزا سے کہو کیا نہیں آگاہ تم
روز قیامت کو جب ہونے لگیگا حساب — مجھ کو بتاؤ تو کیا دوگے تم اسکا جواب
سن کے وہ بولا کہ یار میں تو مکر جاؤنگا — اور مکر کر وہیں جھوٹی قسم کھاؤنگا
کوئی بھلا اسکا واں ہوویگا شاہد کہاں — جھوٹا کریگا وہ شخص مجکو بھلا کیونکہ واں
اسنے کہا سن رکھو بکری ہی واں آئیگی — حال کہے گی وہ سب اور تمہیں مکرائیگی

پھر وہ کہیگی یہی میں تو نہ تھی تیرا مال　　تو نے بھلا کس لئے مجکو کیا تھا حلال
اسکا جو مالک ہے وہاں وہ بھی کھڑا ہوویگا　　مانگے گا تم سے اُسے اور کڑا ہوویگا
بولے جو اس بات میں ہے نہیں کچھ بیش و کم　　تو تو پھر اس بات کا کیجیے ہرگز نہ غم
کیونکہ جو مالک کے پاس ہوویگی بکری کھڑی　　تو تو مصیبت نہ کچھ مجھ پہ پڑے گی بڑی
بکری کے دونوں جھپٹ کان پکڑ لونگا میں　　ہاتھ میں مالک کے بس جلدی سے پھر دونگا میں
اور یہ کہونگا کہ لے حق ترا پہنچا تجھے　　ماں بس اللہ کو پھر نہ ستانا مجھے

مجلس یازدہم

در شاہجہان آباد بخانۂ مرزا سبحان قلی بیگ راغب بندہ و دو سہ شخص دیگر نشستہ بودیم یکے گفت کہ شعر صاف و دیگرے اظہار کرد کہ شعر تلاش و تہ دار و دقیق معنی دار خوب میپا شد و بندہ را منصف نمودند گفتم کہ اکثر در تذکرہ ہا دیدہ ام قدما تعریف شعر صاف نوشتہ اند ایں شعر خاقانی و حضرت شیخ سعدی شیرازی کہ مکرر در تذکرہ ہا دیدہ بودم عرض نمودم ؎

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت　　خاقانی را دگر شب آمد
سعدی از داغ جگر سینہ بکش　　مکشا روزن آتشکدہ را

و اظہار نمودم کہ انتہائے شعر اینست کہ صاف باشد چرا کہ عام فہم و خاص پسند میشود سوائے ایں در شعر صاف غلطی محاورہ و اصطلاح و بمعنی نہ میگردد سبب اینکہ در فہم

ہر کس معنی شعر بآسانی می آید انچہ درآں خوبی وقباحت می باشد جلد دریافت میگردد
آنجاست کہ شعر صاف گفتن دشوارست و در شعر دقیق کہ قباحت می آید مردم عام قصور
فہم خود دانستہ بپرسیدن مدعا خاموش میمانند و مردم خاص از شبہہ می دانند کہ بجاے
خود استعارہ کردہ خصوصاً در شعر ہندی کہ دقیق باشد بمردم فہمیدہ جلد قباحت دریافت
نمی شود وجہ ایں کہ دریں زبان کار لغات نیست شعر صاف ضرورست حاضران مجلس
فرمودند کہ کدام غزل صاف بخوانید تا ازاں معائنہ شود ایں غزل خواندم۔

عشق میں تیرے میرا رنگ زعفرانی ہے — ضعف ہی رفیق اپنا یار ناتوانی ہے
کس سے میں کہوں یہ بات دل نہیں ملا ہیہات — اُس گلی میں ساری رات خاک میں نے چھانی ہے
آئیگا وہ یہاں شب کو مجھسے تو کہے ہے جو — نامہ بر قسم کھا تو اُس کی یہ زبانی ہے
دیکھیو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے — قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے
کہہ چکا ہوں میں سو بار یار و مت کرو تکرار — اُسکی ابروِ خمدار تیغ اصفہانی ہے
یوں کہے ہے وہ بیڈھنگ تیغ کو چڑھا کر سنگ — کیجیے بجھے چونک اب یہ جی میں ٹھانی ہے
ہمنشیں نہ کر تاخیر جلد کر مری تدبیر — ہے جنوں گریباں گیر عالم جوانی ہے
کب تلک رہوں جیتا اُس بن اے اول صد چاک — زندگی ہی اپنی خاک خاک زندگانی ہے

سُن کے اُسنے رنگیں آہ تیرا قصہ جانکاہ
ہنس کے یوں کہا اے واہ زور یہ کہانی ہے

مرزا اسحاق قلی بیگ فرمودند کہ دریں ایام در شاہجہان آباد بلکہ در دیگر جاہا نیز را میاں نصیر

صاحب کسے شعر ہندی تہ دارد دقیق و مشکل نیگوید گفتم بلے دریں کار یگانہ زمان و بے
بدل روزگار اند فرمودند کہ مطلع او شاں میخوانم چیزے قباحت اگر بتوانند برآرند گفتم مشق
او شاں ایں قسم نیست کہ دراں جائے سخن باشد و سوائے ایں در خدمت او شاں بندگی
دارم چوں او شاں قسم دادہ ایں مطلع خواندند۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیجوں پر کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

ناچار شدہ گفتم کہ ایں مطلع بہ از مطلع آفتاب ست لیکن مرا دریں تامل ست کہ چادر مہتاب را
میکش بر جیجوں چگونہ دزدید اگر بجائے میکش لفظ بادل میبود البتہ بہتر بود۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب بادل نے جیجوں پر کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

سبب ایں ست کہ ہر گاہ ابر بر ماہ می آید البتہ چادر مہتاب نمی ماند گویا دزدیدہ میشود
بطور لطیفہ عرض کردم مضمون از عالم بالا و دزد بر زمین یعنی چہ قصہ زمین بر سر زمین
مضمون عالم بالا را دزد ہم آسمانی بایستے شخصے ایں سخن میاں نصیر صاحب سانیدہ
او شاں شنیدہ از بندہ آزردہ خاطر شدند بارے بہزار خرابی در چند مدت تصفیہ نمودم

مجلس[۱۲] دوازدہم

در شاہجہان آباد سید احمد میر خاں کہ صوبہ دار بودند بر بندہ کمال تفضلات میفرمودند
روزے در خلوت اتفاق شعر خوانی بود فرمودند کہ شخصے شعر مرزا جلال اسیر را خواندہ بود
مصرع اول از خاطر رفتہ عرض کردم مصرع آخر ارشاد شود فرمودند۔

از قضا ایں قدر نمی آید

بمجرد شنیدن عرض کردم۔

دلبر من بسر نمی آید　　از قضا ایں قدر نمی آید

بعد عرض کردن بندہ فرمودند کہ حالا یاد آمد مصرع اوشان ایں بود۔

دلستانم بسر نمی آید　　از قضا ایں قدر نمی آید

عرض کردم کہ بجد آنجناب و بہ کلام اللہ قسم ست کہ اگر از کسے شنیدہ باشم یا بجاے نوشتہ از نظر گذشتہ باشد فرمودند کہ اگرچہ مضمون توارد ست لیکن تکلف ایں لفظ کہ دلبر گفتہ اند برائے لفظ بر از دلستاں خوب ست آفریں صد آفریں عرض کردم کہ از راہ پرورش ارشاد میشود

مجلس ۱۳ سیزدہم

در سہارنپور برفاقت نواب غلام قادر خاں بودم نواب موصوف در عالم طفولیت با بندہ دستار بدل شدہ بودند شعر ہندی خوب میفرمودند تخلص فرخ میفرمودند در ابتدا بندہ را شوق شعر خوانی و شعر گوئی از صحبت اوشاں شدہ بود مرزا عبدالکریم بیگ کہ مردم کاشغر و اتالیق اوشاں بودند روزے ایں مطلع غنی کشمیری را خواندند۔

درونِ آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم　　ز تیر غمزۂ صیاد خوباں پر بر آوردم

گفتم مرزا صاحب در شعر اُستاداں دخل بیجا کردن بیجاست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ فرمودند ارشاد شود گفتم۔

درونِ آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم　　ز تیر غمزۂ صیاد کیشاں پر بر آوردم

لفظ کیشاں برائے تیر غمزہ پر مناسب ست ازانجاکہ مرزائے موصوف بر بندہ مہربانی فرمودند بسیار پسند فرمودند۔

مجلس[۱۴] چہاردہم

در پرگنہ نہ بندہ و محمد خاں صاحب کہ بہار تخلص می فرمایند و پسر عمو صاحب مراد بیگ خاں یک جا با چند کس نشستہ بودیم ذکر بدیہہ گوئی بمیاں آمد شخصے گفت کہ بدیہہ گفتن امر دشوار ست برادر موصوف فرمودند کہ سعادت یار خاں در بدیہہ گوئی دستگاہ خوب دارند آں شخص گفت کہ بارے مصرع ثانی ایں ہم سانید

ع۔ راز دل را بہ کس نباید گفت

شخص مذکور ہنوز تمام نہ کردہ بود کہ جواب دادم۔ ؎

راز دل را بکس نباید گفت   گر بود ہمنفس نباید گفت

مجلس[۱۵] پانزدہم

در فیروز پور جھرکہ بندہ و مصطفےٰ خاں پسر مراد بیگ خاں و دیگر چند مغل قزلباش باہم نشستہ بودیم یکے ازآنہا کہ علی رضا بیگ نام داشت مرد اصفہانی بود شعرہائے اُستاداں بسیار یاد داشت از کنایہ بہ بندہ گفت کہ یک شعر خوب از اُستاد بیاد آمدہ ست یک مصرعہ آں میخوانم آنجناب ہم شعر میگویند بارے مصرع ثانی برائے آں بفرمایند

مصرع اولش ایں ست۔

چہ می پرسی زمن حالِ دلِ غمدیدہ‌ات چوں شد

گفتم در فارسی دستگاہ چنداں ندارم مصرعہ بدیہہ میتوانم کہ بہم رسانم لیکن ایں قدر چستی کہ مصرع اُستاد داشتہ باشد معلوم گفت علی اقدر حال خود چیزے ارشاد شود کہ مدعا از امتحان ست گفتم۔ ؎

چہ می پرسی زمن حالِ دلِ غمدیدہ‌ات چوں شد

بہ شوقِ فندقِ پایت سرشکِ دیدہ‌ام خوں شد

گفت بارک اللہ بدیہہ خوب ارشاد گردید اگرچہ اُستاد مصرع ثانی بسیار عمدہ دارد لیکن بخونِ جگر بہم رسانیدہ باشد و آں صاحب فوراً ارشاد کردند گفتم مصرع ثانی اُستاد ہم ارشاد شود تا حظے ببرم گفت۔ ؎

چہ می پرسی زمن حالِ دل غمدیدہ‌ات چوں شد

دلم خوں گشت و خونم آب و آب از دیدہ بیروں شد

گفتم واقعی مصرع ثانی لاثانی ست گفت از مشق سابق خود کدام غزل فارسی بخوانید ایں غزل خواندم۔

ہر زماں وصلِ پری رخساری خواہد دلم — وصل می خواہد دل و دلداری خواہد دلم

تا ز اُستادِ محبت درسِ عشق آموختم — سنگِ طفلاں بر سرِ بازار می خواہد دلم

چشم زخمے بر جگر ہرگز ندارد آرزو — زخمہا زاں ابروِ خمدار می خواہد دلم

تا ز رمز قصهٔ فرهاد و قیس آگاه گشت | دشت خار و دامن کهساری خواهد دلم
شوخ گفت از ناز می‌خواهد دلت چندان مرا | گفتمش اے دلربا بسیاری خواهد دلم
تا که آگه از کمال زاهد و راهب شدم | رشتهٔ از سبحه و ز تاری خواهد دلم

کرد خوں رنگیں دلم را مصرعِ اُستاد آه
یاری خواهد دلم چوں یاری خواهد دلم

مجلس [۱۶] شانزدہم

در پرگنه باول که مع هشتاد و چار [۸۴] ده در جاگیر قبله گاه صاحب بود وارد بودم و بر دختر قصاب آنجا بقول سعدی یعنی در ایام جوانی چنانکه افتد و دانی حالتِ عشق داشتم چوں بعد چندے وصل آں میسر آمد اصلا شهوت نشد سبب اینکه از پارچهاے آں بوے بیدی می آمد که در نوشتن نمی آید هر چند تردد کردم چیزے به عمل نیامد فی الفور این مطلع گفتم۔

هست بل مس کنم و کو کنم | لیر چو یار [illegible] ندهد چوں کنم

مجلس [۱۷] ہفدہم

در کانوڑ برفاقت نواب نجف قلی خاں بودم نواب موصوف مرزا جعفر را به شاهجهان آباد رخصت فرمودند بنده را مع دو صد سوار همراه اوشاں نمودند چوں

بہ شہر ریواڑی رسیدند راجہ آنجا کہ متر سین نام داشت بکمال تیاری ضیافت کرد بعد
فراغت طعام صحبت رقص شد نواب مرزا جعفر فرمایش کردند کہ کدام غزل بخوانید رقاصہ
ایں غزل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ خواند ؎

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں ۔۔۔ وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں

یکے از مصاحبان اوشاں گفت کہ ایں مطلع محمد امان خان نثار دریں زمین خوب ست ؎

جدھر بھر نظر یہ صنم دیکھتے ہیں ۔۔۔ اُدھر لاش پر لاش ہم دیکھتے ہیں

شخصے دیگر گفت کہ بریں مطلع مرزا رفیع ہم خوب ست ؎

گدا دست اہلِ کرم دیکھتے ہیں ۔۔۔ ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

مطلع شخصے دیگر خواند ؎

تجھے کفش پہنے جو ہم دیکھتے ہیں ۔۔۔ تو دشمن کو زیر قدم دیکھتے ہیں

نواب موصوف بہ بندہ فرمودند ایشاں ہم بریں فکر نمایند عرض کردم کہ ایں وقت طبع
بطرف رقص مائل ست فرمودند عذر بیجا ست رقص را موقوف کنانیدند ناچار
ایں غزل نوشتم۔

رقیبوں سے اُسکو بہم دیکھتے ہیں ۔۔۔ یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
لگانے بھی مے ہاتھ ابرو کو اپنے ۔۔۔ ہم اس اصفہانی کا خم دیکھتے ہیں
نہیں ہم سے وہ دل رہا اب تمہارا ۔۔۔ وہ باتیں بہت اب تو کم دیکھتے ہیں
جو ملتا ہو اُس سبزہ خط سے ہم اُسکا ۔۔۔ قلم کی طرح سر قلم دیکھتے ہیں

بتوں کا ہمیں ظلم بھاتا ہے ناصح ستم اُن سے گو دمبدم دیکھتے ہیں
جلومت عبث تم بھلا پھر تمھیں کیا جو کچھ دیکھتے ہیں سو ہم دیکھتے ہیں
کبھی وصل کی شب کا تھا دید رنگیں
جن آنکھوں سے اب یہ ستم دیکھتے ہیں

مجلس ۱۳ سیزدہم

در لشکر نارنول نواب اسمعیل خاں بہادر فرود آمدہ بودند بندہ برفاقت اوشاں بود روزے برادر محمد یار خاں و بندہ برائے سیر و زیارت درگاہ نظام الدین نارنولی سوار شدیم در راہ شخصے از برادر مذکور آشنائی داشت دو چار شد گفت کہ در اجمیر ذکر آں صاحب شنیدہ مشتاق ملاقات بودم بہ حسب اتفاق ملاقات میسر آمد فرمایشے دارم کہ بجا آرید گفتم بچشم گفت کہ مصرع نواب آصف الدولہ شنیدم امید مصرع دگر دارم از کسے جا بہم نہ رسیدہ گفتم بخوانید گفت ع

نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

بعد یک ساعت مصرع بہم رسانیدم ؎

اب کی کچھ اور ڈھب سے آنکھ لگی نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

ایں را شنیدہ بسیار پسند کردہ اظہار نمود کہ چیزے از مشق قدیم باید خواند ایں چند مطلع کہ سردست یاد بودند در عین رواروی بر زبان آوردم۔

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا　　　　تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

تو جو کہتا ہے کہ گھر جائیں گے ہم　　　　تیرا کیا جائیگا مر جائینگے ہم

تجھ بغیر مملکت دل اُجاڑ ہے　　　　چھاتی پہ رات ہجر کی کالا پہاڑ ہے

بنتی صحبت اُس سے کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے　　　　وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

بولنے کی شہرت یا ہم سے وہاں پھر گئی　　　　تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خدائی پھر گئی

وہاں تو وہ گھر سے کم نکلتا ہے　　　　اور یہاں اپنا دم نکلتا ہے

آہ کیجے تو آن جاتی ہے　　　　جو نہ کیجے تو جان جاتی ہے

مجلس ۱۹ نوزدہم

درجے پدر بحسب اتفاق بندہ و محمد یار بیگ سائل کہ بعد منعم تخلص میفرمودند نشستہ بودیم و صحبت شعر گرم بود بندہ این مطلع خواندہ

یوں سرشکِ مژہ اب شام و سحر جھڑتے ہیں
شاخ پر میوے جس طرح ثمر جھڑتے ہیں

محمد یار بیگ سائل اظہار کردند کہ مضمون منست گفتم شعر خود بخوانید ایں شعر خواندند

شاخ کو کوئی ہلادے تو ثمر جھڑتے ہیں
اپنی ہر جنبشِ مژگاں سے گہر جھڑتے ہیں

گفتم بندش شعر بندہ معقول ست سبب ایں کہ از ہر شاخ ثمر نیز ریزد مگر ہر شاخ کہ پر میوہ باشد انصاف شرط ست ہرگاہ کہ قائل شدند مطابق آں ایں نقل رو بروے اوشاں کردم کہ بندہ ایں شعر گفتہ بود

مجھے جو اس پہ پرونے طلبگار اپنا جانا ہے
چھڑک کر کیوں نہ بیچے اب خریدار اپنا جاتا ہے

شخصے بہ بندہ گفت کہ ایں مضموں را انشاء اللہ خاں دانستہ ایں قسم بستہ اند

دل کو رکھ کر پنجۂ مژگان تر پر بیچیے
یعنی اپنا مال ہے اس کو چھڑک کر بیچیے

گفتم از بندش بندہ بندش اوشاں خوب ست سبب اینکہ برائے لفظ پاشیدن آب یعنی چھڑک لفظ پنجۂ مژگاں نیز بسیار مناسب بدست آمدہ است از حق نباید گذشت پس ضرورست کہ از ہر کس مضمون بستہ شود مالک آں ہمانست خواہ توارد باشد خواہ دانستہ

مجلس بستم

درحضرت اجمیر روئے نواب قدرۃ اللہ خاں پسر نواب قاسم خاں ایں مطلع شیخ سعدی را روبروے بندہ خواندند

سروِ سیمینا بہ صحرا میروی
نیک بد عہدی کہ بے ما میروی

از راه اختلاط گفتم که اگرچه بے ادبی ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشته است۔

سرو سیمینا بہ گلشن می روی　　　　نیک بدعہدی کہ بے من میروی

دراں مجلس مغل تازه ولایت کہ چنداں از ذائقہ شعر آگاہی نداشت و از شعر گفتن بنده نیز اطلاع نداشت گفت کہ امروز دریافت شد کہ آں صاحب شعرہم می گویند بارے کدام غزل فارسی از تصنیف خود بخوانید ایں غزل خواندم

دوست یکسو خود ز دشمن کیں نمیخواہیم ما　　　　خاطرے از ما برنجد ایں نمیخواہیم ما

کوچۂ دلدار ما را بہر آسایش بس ست　　　　کشورِ ایران و ملک چیں نمیخواہیم ما

مژده بادے زاہد و راہب کہ از روز ازل　　　　بندۂ عشقیم و کفر و دیں نمیخواہیم ما

رہروان منزل عشقیم و در طے گردشش　　　　توسن گردون دوں را زیں نمیخواہیم ما

جامۂ عریانی ما فخر صوف و اطلس ست

زینت از بہر خود رے رنگیں نمیخواہیم ما

ایں را شنیده مجوز شد کہ غزل دیگر بخوانید ناچار بپاس خاطر یاراں چند شعر دیگر خواندیم

دل بلائیست کہ من میدانم　　　　مبتلائیست کہ من میدانم

کس چہ داند کہ میانِ من و او　　　　ماجرائیست کہ من میدانم

نقش ابست بنائے ہستی　　　　ایں بنائیست کہ من میدانم

دلبرے عشوه گرے بے ککھے　　　　میرزائیست کہ من میدانم

در حق نغچگاں پیر مغاں　　　　پیشوائیست کہ من میدانم

چشم میگونش ادائے دارد | چه ادائیست که من میدانم
نیست آسان گذر از دهر کہن | تنگنائیست که من میدانم
خاکساری بجهان اے رنگین | کیمیائیست که من میدانم

مجلس بست و یکم

در کابل شاه جهاه تیمور شاه در ۱۲۰۳ھ دوازده صد و سه هجری اسد یار خان درانی را که مالک یک دسته یعنی دوازده هزار سوار بود و قابلیت و دانائی از حد زیاده داشت ایلچی کرده مع تحفه و تحائف آنجا نزد پادشاه عالم شاه فرستاد خان موصوف بعد از ملازمت حضور سه ماه در شاهجهان آباد مانده رخصت کابل خواست پادشاه والد بنده را مع تحجات این ملک ایلچی فرموده همراه مشار الیه رخصت فرمودند بنده برادر محمد یار خان و حق وردی خان و خدا وردی خان نیز همراه روانه شدیم لیکن از حضور پادشاه ارشاد شد که نزد وکیل مطلق یعنی پٹیل صاحب که از دو لاک سوار مهم راجپوتانه درپیش دارد شده بروند و مهاراجه پٹیل بهادر بحکم حضور رسید که با دولت طهماس بیگ خان را نزد شاه تیمور شاه روانه فرمودیم انچه از ارباب دیگر درکار داشته باشند سرانجام کرده دهند هر گاه از شاهجهان آباد روانه شده به نواح کوٹا بوندی رسیدیم تمام ملک از تاخت مرهٹاهاے چراغ شده بود هزارها سوار مرهٹا قزاقی می کرد روزے اسد خان به والد بنده گفت که در راه خطره بسیار است لازم که از راجه این ملک مردم بطریق بدرقه همراه

باید گرفت بنده اظهار کرد که جمعیت مایان ہم کم نیست احسان ناحق بر داشتن
چہ ضرور خان موصوف بر آمد سخن این شعر خواند ؎

بے پیر مرو تو در خرابات ہر چند سکندر زمانی

حاصل ازیں شعر یہ یعنی در راہ مخاطرہ بے بدرقہ رفتن از دانائی بعید ست بندہ گفت
کہ لفظ خرابات دریں مقام بے مصرف ست اگر ایں قسم بخوانند بہتر باشد ؎

بے پیر مرو براہ ظلمات ہر چند سکندر زمانی

لفظ ظلمات ازیں سبب مناسب ست کہ ہر گاہ سکندر قصد ظلمات کرد فرمود کہ
مرد پیر ہمراہ نرود جوانے از پدر پیر خود عشق داشت پدر را در صندوق کردہ ہمراہ
برد چوں نزد ظلمات رسیدہ پادشاہ حیران شد کہ ہر گاہ در تاریکی رفتم چگونہ از ہماں
راہ خواہم گشت ہر کسے تدبیر آں بقدر حوصلہ خود عرض میکرد تشفی پادشاہ نمی شد
مرد جوان صورت حال روبروے پدر بیان کرد پیر تدبیرے آموخت کہ پسند پادشاہ
آمد و ازاں راہے یافت پس اگر شاعر دریں مقام لفظ ظلمات بجاے خرابات می نوشت
خوب می کرد نیز لفظ ظلمات براے سکندر پر مناسب ست اسد اللہ خاں بسیار پسند کردہ فرمودند

مجلس بست و دوم ۲۲

در گوالیار ہند و راؤ مرہٹا یک کمپو کہ عبارت از ہفت ہشت ہزار سپاہی ست
بہ برادر صوفی آقا یار بیگ خاں دادہ بود و یک سالہ سواران ہمراہ بندہ بود مرزا کھو بیگ

که شور تخلص میفرمودند با بنده بسیار ربط دوستی میداشتند و از باعث زور طبیعت کسے را بخاطر نمی آوردند و در یک زمین غزل ده پانزده میگفتند و گاہے بپاس خاطر و گاہ از قبول اصلاح یک دو غزل میگرفتند لیکن اکثر جا از راه زبردستی و سخنی سخن معقول را ہم قبول نمیفرمودند روزے در درگاه محمد غوث گوالیری نزد بنده نشسته بودند پنج شش غزل خود بکمال آب و تاب خوانده فرمودند که غزلها را ہمیں وقت گفته آورده ام و اگر بخواہم ہشت غزل دیگر ہمیں قسم بگویم گفتم درست ارشاد میشود لیکن غزل مشکل اگر در یک سال ہم شود کمال غنیمت ست بشرطیکه مشکل باشد و خوب شود بنده یک غزل بقید حروف که از الف تا یا ست در سه ماه بہزار خرابی باتمام رسانیده ام فرمودند که اینجانب در سه گھڑی در جواب آں غزل نوشته میدہم گفتم اگر در سه سال جواب آں غزل نویسانیده دہند بنده شاگردی قبول کند گفتند بخوانید من ایں غزل را خواندم۔

اکڑ آفت بھبوکا بل پری پٹکا قبا خاصی — تبر تخته تھمک ٹھوکر ثنا ثابت حیا خاصی
جبیں جادو چلاوا چنچل حیا حیرت خجسته خو — دھواں دنداں کا ذائقی رسیلا رخ صفا خاصی
زنخ زیبا ستم سینه شرر شوخی صفا صورت — ضرورت ضد طرح طوفاں ظفر ظاہر جفا خاصی
عجب عشوه غضب غمزه فسوں فندق قیامت قد — کمر کافر گلو گلگوں لچک لاکھوں ادا خاصی

مڑھی مژگاں نگه ناوک وفا دہ کچھ ہنسی ہی ہی
یمن یاقوت لب پر صدقے اور نگیں حیا خاصی

بعد شنیدن ایں غزل فرمودند که واقعی بکمال صنعت و بطرز نو گفته اند سخت مشکل ست لیکن

من خواہم گفت بندہ مجبور شد دو چہار گھڑی فکر کردند ہیچ بعمل نیامد مہلت سہ روز خواستہ بجاے خود تشریف بردند بعد پنج شش روز کہ ملاقات شد تقاضا کردم فرمودند کہ از خیال رفتہ بود غرض چند ماہ گذشت ہمیشہ میفرمودند کہ فرصت نیست قصہ کوتہ قریب یک سال گذشت بعد یک سال در جنگ قلعہ چرگانو کہ قریب کالپی ستؔ حملہ اول بکمال مردانگی شہید شدند کمال تاسف شد حق تعالی غریق رحمت کند۔

مجلس بست و سوم

درکوہ روزے روبروے برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں مثنوی پسر تاجر اصفہانی کہ در شاہجہان آباد بموجب فرمایش برادر سبحان قلی بیگ راغب تصنیف نمودہ بودم عرض مینمودم بجاے رسیدم کہ پسر تاجر اصفہانی تباہی کشیدہ بنارس رسیدہ درآنجا از سوداگر دیگر ملاقی شد سوداگر مذکور احوال آں پرسید کہ از کجائی و چہ نام داری۔

بگفتا او کہ با ما چیستی تو | چہ نامی وز کجائی کیستی تو
نخستیں نام پاکت زود بر گو | وزاں پس حالت خود سربسر گو
بگفتا مولدم از اصفہان ست | زنام و جاہ من آگہ جہان ست
عباد اللہ مرزا نام دارم | ہمیشہ با تجارت بود کارم
حساب مال من بیروں ز حد بود | شمار دولتم بیروں ز عد بود

حضرت نواب موصوف فرمودند کہ اگرچہ شاعر نیستم لیکن قافیہ یک شعر خوب بخاطر



باز عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں قسم باید گفت ؎

حساب ... ان بیرون حد بود   شمار دولتم افزوں ز عد بود

عرض کردم کہ از حق نباید گذشت واللہ بسیار لفظ عمدہ ارشاد شد سبب اینکہ شعر و و صنعت پیدا کردیکے اینکہ شعر ذوقافیتین شد و دوم برائے شمار لفظ عد بسیار مناسب ست ہماں وقت در دیوان نوشتم۔

مجلس بست و چہارم

در فرخ آباد مرزا مغل علی خاں و میاں حیدر کہ حیدر تخلص می نمودند و مرزا بر یک جا نشستہ بودم بندہ تعریف شاعری برادر انشاء اللہ خاں می نمود میاں حیدر فرمودند کہ ایں جانب در لکھنو رونے بخدمت اوشاں حاضر گردید عرض کردکہ چیزے از مشق خود روبروئے آں قبلہ میخوانم بنظر اصلاح باید شنید چنانچہ یک سلام و دو سہ غزل خواندم چندجا اصلاح فرمودند از خاطر اوشاں امتنا می گفتم لیکن چیزے تشفی نشد چرا کہ در دانست من بر آں اشعار جائے دخل نبود گفتم بخیال آں صاحب نیامدہ باشد در ہر شعر کہ اوشاں میفرمودہ باشند پر مناسب خواہد بود بقول سعدی ؎

شعر گفتن بہ زور سفتن بود   لیک فہمیدن باز گفتن بود

باز عرض کردم کہ آنصاحب ہماں اشعار را بخوانید در ہر جاکہ اوشاں گرفت سخن کردہ باشند انشاء اللہ تعالیٰ بندہ ہماں عرض خواہد کرد اول ایں سلام خواندند ؎

اے سعادت یاب درگاہِ خدا ایجو سلام	ے ضیاے دیدۂ خیرالورا ایجو سلام

اے بنی کے جانِ دل وے فاطمہ کے نورِ عین	ورثہ دار حضرتِ مشکل کشا ایجو سلام

ہرگاہ بریں شعر رسید گفتم در ورثہ دار دخل فرمودہ باشند گفتند بلے پس لفظ ورثہ دار چہ قباحت دارد گفتم ورثہ داراں را میگویند کہ نزد ہر کس اسباب ورثہ امانت باشد در ورثہ دار و وارث بسیار فرق ست قائل شدہ ایں غزل شروع نمودند۔

ہے کہاں اب تو اے مسیحا دم	یاد آتا ہے وہ ترا عالم

ہجر میں تیرے ہم پہ کیا گذری	تجکو معلوم کچھ ہوا اے صنم

ہرگاہ ایں شعر خواندند گفتم در لفظ ہوا اے صنم دخل فرمودہ باشند گفت ایں چہ بدی دارد گفتم لفظ اے از تنگی نشست یافتہ غرض دو سہ جاے دیگر انچہ او شاں فرمودہ بود یعنی بے کم و کاست عرض کردم بوجہ احسن تشفی شد معقول شدند۔

مجلس بست و پنجم

در لکھنو بندہ و برادر انشاء اللہ خاں در سرکار مرشدزادہ آفاق میرزا محمد سلیمان شکوہ کہ سلیمان تخلص میفرمایند ملازم بودیم باہم آں قدر دوستی و اخلاص داشتیم کہ در تحریر نمی آید چنانچہ ایں شعر از آنجناب ست کہ در حق بندہ فرمودہ بودند۔

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا

ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خان اور ہم

روزے خاں صاحب موصوف درحضور مرشد زادہ حاضر گردیدہ غزل ترجیح خود خواندند مطلعش ایں بود

دیکھ اُسکی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی   ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں اُنگلی

بدیہہ بندہ ازراہ شوخی عرض کرد کہ اگر ایں مصرع بدارند شعر کمال چستی پیدا کند

بیٹھی ہے پری اپنی دیے ـــــ میں اُنگلی

چراکہ باہم ربط بشدت بود کہ مدام شوخی از طرفین بعمل می آمد خندہا باخود کردیم۔

مجلس بست و ششم

درلکھنو روزے میاں جرأت صاحب درحضور حاضر گردیدہ غزل خود خواندند مطلعش ایں بود۔

کہیں رونے پہ دلا تجکو نہ دے یار نکال   صدف چشم سے مت گوہر شہوار نکال

گفتم حضرت نکال مصرع اول دریافت نمیشود کہ از خانہ یا از شہر اگر ایں قسم بدارند بہتر باشد

ع۔ کہیں رونے پہ دلا گھر سے نہ دے یار نکال

ازانجاکہ میاں جرات بسیار منصف اند کمال پسند نمودند در جواب مطلع بدیہہ ایں غزل روبروے میاں جرأت گفتم۔

مجھ پہ کیوں دوڑے ہے تو ہر گھڑی تروار نکال   قتل کی میرے نئی طرح کوئی یار نکال

اپنی گر حسن فروشی ہی تجھے ہے منظور   تو کوئی چھوٹی سی کھڑکی سر بازار نکال

واسطے بوسے کے یوں دل کو لکھا اُسکے خط نے
جیسے کیسے سے رکھے زر کو خریدار نکال

عرش تک پہنچی ہر تو اب تو زیادہ اس سے
پیٹ سے پاؤں نہ اے آہ شرربار نکال

جان سے جاؤنگا میں تیرا نہ کچھ جاویگا
مجھے محفل سے خفا ہو کے نہ اے یار نکال

میں جو لپٹا تو وہ گھبرا کے یہ بولے کہ سرک
چھوڑ دے مجکو کسی اور پہ یہ پیار نکال

اُسکے فندق کے تصور میں کہے ہو رنگیں
کوئی لخت جگر اے دیدہ خونبار نکال

مجلس بست و ہفتم

در لکھنؤ روزے از مرزا حاجی بیگ ملاقات شد او شاں مطلع میاں جرات و مطلع مرزا جیون کہ رضا تخلص میفرمایند روبروے بندہ خواندند۔ ؎

کانوں میں اُسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے
ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

مطلع رضا۔ ؎

سبزے ہیں اُسکے کانوں میں اس آب و تاب کے
جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

گفتم کہ ہر دو مطلع بسیار عمدہ اند فرمودند کہ در جواب آنہا فکر باید کرد بعد تامل بہ تبدیل قافیہ ایں مطلع عرض کردم۔ ؎

موتی ہیں دونوں کانوں میں اُس خوش نگاہ کے
چھٹکے ہیں یا کہ تارے یہ نزدیک ماہ کے

مجلس بست و هشتم ۲۸

در لکھنؤ مرزا سبحان قلی بیگ آغب از شاہجہان آباد تشریف آوردند در دیوان خانہ میر منو صاحب مولوی میر مصاحب علی و برادر انشاء اللہ خاں و بندہ برائے ملاقات اوشان رفتیم بعد از پرسش احوال فرمودند شب این غزل گفتہ ام ع

بادۂ ناب دلم می خواہد

گفتم مصرع دوم این گفتہ باشید۔ ع

عالم آب دلم می خواہد

فرمودند کہ واللہ ہمیں گفتہ ام و فرمودند کہ حسن مطلع این ست۔ ع

سخت تنگ آمدم از تاریکی

گفتم مصرع ثانی این باشد ع

سیر مہتاب دلم می خواہد

اظہار کردند کہ باللہ ہمیں نوشتم غرض کہ ہمیں قسم از پنج شعر غزل سہ شعر را مصرع ثانی بے کم و کاست فوراً گفتم و دو شعر را مصرع ثانی سوائے نوشتہ اوشاں بہم رسانیدم شخصے گفت کہ شاید اوشاں شنیدہ باشند ہر چند بندہ قسمہا یاد کرد اعتبار نہ کرد و گفت اگر مسودہ بینم یقین گردد و چوں مرزا موصوف بر آوردند بموجب گفتہ بندہ دریافت کردہ تعجب نمودہ متحیر ماندند۔

مجلس بست و نہم

درلکھنو روزے حضرت مرشدزادہ ازمحل برآمد نشدہ بودند ابوالحسن خاں وطالب حسین خاں و مرزانعیم بیگ و میرانشاءاللہ خاں و بندہ ودیگر صاحبان امیدار مجرا بودیم از ابوالحسن خاں و بندہ خوش طبعی بکمال شوخی بود فرمودند کہ دریں ایام ایشاں دیوان ہزل درجواب صاحبقراں کہ مشتاق ہزل اند گفتہ اند دو مطلع اوشاں یاد دارم مثل اوشاں ممکن نیست کہ از شما بہ عمل آید بعد قطع کلام ایں ہر دو مطلع را خواندند

ہے جی میں کالی جمیا کو ہمخواب کیجیے — تیغ ذ— کو اپنے سینہ تاب کیجیے

یوں گرمی دانے ہیں تے چ کے آس پاس — خشخاش جوں لگی ہو کلیجے کے آس پاس

گفتم درشعر اول چہ قباحت ست کہ کسے تیغ را سینہ تاب نمیکند مگر قبضہ می شود و در شعر دوم تامل ست کہ خشخاش را بر کلیچہ می چسپانند نہ گرد پیش ایں ہم غلطی محاورہ است بعد آں ایں مطلع و حسن مطلع گفتہ عرض کردم کہ اگر ایں قسم سفر مؤنثہ بہتر بود۔

سینہ تل ہیں یوں اسکے —— کے اوپر — کلونجی ہو جیسے کلیچے کے اوپر

نہیں —پہ روشن کی —ں کا بھچا — یہ خس کا ہے پردہ دریچے کے اوپر

پسند کردہ فرمودند کہ کدام غزل ہزل خود بخوانید ایں غزل خواندم۔

نفس اپنا جو یہ ہے شاخ شجر کے مانند — دو اسیں لٹکتے ہیں ثمر کے مانند

وہ سحر خیز ذ— ہے یہ جنونی جس نے — چاک —ں کے کئے جیب سحر کے مانند

اُسنے پھوڑے ہیں غرض لاکھوں ہی —ن کے سر — گرز لند ہور نہیں میرے ذ— کے مانند

ہے وہ سانچے کا ڈھلا نفس یہ میرا جسکی — جڑ ہے مانند سر اور سر ہے کمر کے مانند

تجکو دینا یہی لازم ہے کہ لے جھاڑ سمیٹ — — تری بہتی ہے اب دیدۂ تر کے مانند

چشم غواص — سے مرے پوشیدہ ہے — صدف — میں —ن تیری گہر کے مانند

آ کے ہر کوئی مسافر سا گذر جاتا ہے — — تیری ہے بس اک رہگذر کے مانند

تجھ پہ نازک بنی ختم ہے یہ جان یقین — برگ گل کب ہے تری — کی گر کے مانند

شب جو منزل میں ہوا نقد — سے زر نکلیں
بھر گیا خانۂ — بدرۂ زر کے مانند

بعد آں مجوز شدند چند مطلع دیگر خواندم۔

یوں در — میں — جا کے یہ ناشاد ہوا — جوں قدم رکھتے ہی دروازے پہ شداد ہوا

دیگر

دھر لویں میں نے شب آ— کو اُسکی ناف کے اوپر — رکھے جس طرح انگلی کوئی حرف قاف کے اوپر

دیگر

— حفیظین کی شگفتہ کیوں نہو گل کی طرح — سبز جھا— اُس پہ لہراتی ہیں سنبل کی طرح

دیگر

شست آ— یوں گئی جا کر — کے متصل — جوں پہنچ کر کوئی مرجائے وطن کے متصل

یوں لگے ہیں — اپنے نفس متوالے کے ساتھ   جس طرح سے کوٹھل لگتے ہیں اکڈالے کے ساتھ

مجلس سی ام

درلکھنؤ روزے مرشدزادہ آفاق درخلوت رقص ارباب نشاط ملاحظہ میفرمودند میرانشاء اللہ خاں و میاں جرأت و میاں مصحفی وغیرہ چند اشخاص حاضر بودند از حضور ایں مصرع ارشاد شد ع

یک قلم گشت مرا نقشۂ تصویر کسے

ہمہ صاحبان در فکر بودند کہ مصرع دوم بہم رسانند دریں اثنا بندہ رسید مجرا نمود از حضور ارشاد شد ایشاں مصرع ثانی بہم رسانند فوراً عرض کردم ۔ ع

کرد زنجیر بپا زلف گرہ گیر کسے

مجلس سی ویکم

درلکھنؤ قاسم علی شاہ کہ از چندے روزگار حضرت مرشدزادہ راگذاشتہ ترک لباس کردہ اند و از عالم دنیاداری رو گردانیدند بر بندہ مہربانیہا میفرمودند روزے تشریف آوردہ ارشاد فرمودند کہ برائے کار ضروری آمدہ ام عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں وقت نزد مرزا احمد علی خاں نشستہ ذکر ایشاں مینمودم کہ شخصے از مصاحبان اوشاں ایں مطلع میاں منتظر کہ شاگرد میاں مصحفی اند خواند ۔ ع

نہ تو عشق سے مجھے عشق ہے نہ تو چاہ کی مجھے چاہ ہے
وہ جواب منہ سے نکالی تھی سو اُسی کا اب یہ نباہ ہے

مرزائے موصوف پسند کردہ فرمودند کہ شاہ صاحب تعریف رنگیں ایں قدر کردہ اند شوق ملاقات اوشاں از حد افزوں ست ہیں وقت اوشاں را بیارید از اوشاں در جواب ایں مطلع غزل خواہم کنانید تا امتحان شود ایں فقیر از مزاج من آگاہی داشت عرض کرد کہ نخواہند آمد اگر بفرمائید غزل از وشاں نویسانیدہ بیارم فرمودند کہ بہتر پس آمدہ گفتند ناچار بپاس خاطرش گفتم و گفتم کہ غزل خاطر خواہ خود نشدہ۔

نہ تو بتکدے ہی کی چاہ ہے نہ تو کعبے پر ہی نگاہ ہے
یہ جو شخص نامہ سیاہ ہے اسے اپنے دل ہی سے راہ ہے

نہ تو کچھ کلیجے میں درد ہے نہ کچھ اپنا رنگ ہی زرد ہے
مگر آہ لب پہ جو سرد ہے تو یہ ایک ڈھب کی کراہ ہے

نہ تو معتقد ہوں میں ذات کا نہ ہے دھیان مجکو صفات کا
میں تو قائل اپنی ہوں بات کا کہ ہمیشہ جس کا نباہ ہے

نہ تو ربط مجکو ہے عام سے نہ غرض ہے کچھ مجھے نام سے
مجھے کام اپنے ہے کام سے مرا حق ہی میرا گواہ ہے

نہ تو اپنے جی کا اُسے خطرہ ہے اپنے حال کی کچھ خبر
کرو عشق ورنگیں پہ گر نظر تو وہ کوہ اور یہ کاہ ہے

مجلس سی و دوم ۳۲

در لکھنو در حضور مرشدزادہ منشی میر حسین کہ منشی تخلص میفرمایند این مطلع میاں مصحفی را عرض کردند۔ ؎

او دامن اُٹھا کے جانے والے — ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھا لے

صاحب عالم در جواب مطلع بدیہی ارشاد کردند۔ ؎

او تاج شہی کے رکھنے والے — عقبے کے لئے بھی کچھ کما لے

من این مطلع عرض نمودم۔ ؎

دل کو کوئی کس طرح سنبھالے — یہاں جان کے پڑ رہے ہیں لالے

مرزا نعیم بیگ کہ جوان تخلص میکنند فوراً عرض نمودند۔ ؎

مت بکیو زیادہ اور جا لے — ہونٹوں میں جو چاہے بڑبڑا لے

مجلس سی و سوم ۳۳

در لکھنو روزے بوقت دوپہر خلاف عادت در دیوان خاص رفتم دیدم کہ حضور مرشدزادہ تنہا در کمال فکر و اندیشہ نگران بجانب گلشن بودند مجرا نمودہ عرض کردم تحیر از چیست ارشاد شد کہ میخواستم کہ استراحت نمایم یک بیک مصرع بخاطر گذشت خواستم کہ مصرع ثانی خاطر خواہ بہم رسد اتفاق نہ شد بکمال بیقراری در فکر مصرع ثانی بودم

عرض کردم ارشاد شود فرمودند

منزل عشق ہے سخت اے دلِ رنجور دراز

گفتم۔

تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفر دور دراز

شخصے از خواصان عرض کرد کہ دریں مصراع غلطی روزمرہ است یعنی در لفظ دور و دراز واو عطف ضرور ست گفتم در بدیہہ جائز ست حضور فرمودند درست ست۔

مجلس سی و چہارم

در لکھنؤ روزے حضرت صاحب عالم در باغ فتح علی خاں کہ جائے تحفہ است برائے سیر رونق افزا شدہ بودند در اثنائے راہ ایں مطلع ارشاد شد۔

نہ تو سیرِ گل کا دماغ ہے نہ جہاں سے رنگ فراغ ہے

یہ جو اپنے سینے کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

انشاء اللہ خاں و بندہ بر یک فیل ہمراہ رکاب حاضر بودیم بسیار تعریف نمودیم کہ چہاں قافیہ در مطلع بکمال چستی نشست یافتہ فرمودند کہ در جواب ایں فکر باید کرد عرض کردم بشرط تبدیل قافیہ انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی

ثمرہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو ٹھہر گئی

من ایں دو شعر عرض کردم ؎

یہ دل اپنا جسکا غلام ہے اجی قاتل اُسکا ہی نام ہے
اُسے ہم سے چھیڑ مدام ہے ہمیں کام اپنے سے کام ہے
مرا دم تو آیا ہے ناک میں نہیں باقی ذرہ ہلاک میں
مجھے یوں ملا دیا خاک میں ارے عشق تجھ کو سلام ہے

مجلس ۳۵ سی و پنجم

در لکھنؤ بہ شادی پسر رام رتن مودی پادشاہی بندہ و ابوالحسن خاں بر پشت بام نشستہ بودیم و در روبروے مجلس زن مہتاب نام طوائف واقعی بہتر از ماہ بود بکمال خوبی مجرا می نمود چوں طرف او نگاہ کردم دل از دست رفت بدیہہ ایں مطلع گفتم و بآواز بلند از بیقراری خواندم ؎

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا   ایسی ہی کی نگاہ کہ بس دم نکل گیا

مجلس ۳۶ سی و ششم

در لکھنؤ روزے بہ دربار مرشد زادہ می رفتم مرزا نعیم بیگ جوان از دربار بر آمدہ می رفتند در راہ ملاقی شدند گفتند کہ ہمیں وقت مطلع گفتہ ام ؎

سیہ خال اس طرح سے ہیں لگے اُسکی ناف کے اوپر   دیے ہوں میر علی نے جیسے نقطے قاف کے اوپر

وانشاء اللہ خاں ایں مطلع گفتہ ؎

دھرا جب نقد دل ہم کھول اُسکی ناف کے اوپر
تو پھیریں کیوں نہ ہاتھ اُس سینۂ شفاف کے اوپر

گفتم ہر دو مطلع خوبند و در مطلع سامی عین علی از تنگی نشست یافتہ اگر مناسب باشد ایں قسم باید نوشت

رشیدا نے دیئے ہوں جیسے نقطے قاف کے اوپر

پسند فرمودند و گفتند کہ شما ہم دریں زمیں فکر نمائید گفتم ؎

پڑی یوں میری انگلی شب کو اُسکی ناف کے اوپر
کہ جیسے کاف کا مرکز ہو گل کے کاف کے اوپر

مجلس شصت و ہفتم

در لکھنو روزے میاں جرأت بحضور حاضر گردیدہ ایں مطلع عرض کردند ؎

کب تک ایام جدائی میں رہوں من مارے
آئے اے کاش وہ آکر مجھے گردن مارے

در جواب از حضور ارشاد شد ؎

کاش اک کھینچ کے تیغہ دم رفتن مارے
نام جانے کا نہ لے اور مجھے گردن مارے

میر انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

کیوں نہ وہ شوخ مجھے کھینچ کے سمرن مارے
میں نے بھی پھول کئی جانب چلمن مارے

بندہ ایں مطلع گفت و بعد آں غزل ؎

در پہ اُس شوخ کے ہم بیٹھے ہیں آسن مارے
خواہ بخشے ہمیں اب خواہ وہ گردن مارے

تمامی غزل در دیوان نوشتہ است۔

مجلس سی و ہشتم ۳۸

در لکھنؤ روزے انشاء اللہ خاں نزد بندہ تشریف آوردہ ایں مطلع غزل طرحی

خود خواندند۔

توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن　　　رکھدونگا وہاں کاٹ کے اک شوکی گردن

بندہ ایں مطلع و حسن مطلع گفت۔

سانچے میں ڈھلی ہے یہ تری نور کی گردن　　　گردن کو تری پونہچے ہے کب حوکی گردن

کیا دست قضا نے یہی قسمت میں لکھا تھا　　　دھڑ سے نہ ملے اس ترے مغفور کی گردن

مجلس سی و نہم ۳۹

در لکھنؤ روزے صاحب عالم در دیوان خاص رونق افزا بودند منشی میر حسین و

نعیم بیگ و بندہ استادہ بودیم انشاء اللہ خاں حاضر شدہ مجرا نمودند فقرہ بے نقط را

بطور لطیفہ در فارسی گفتند ارادہ مسہل دارم سائل درجواب بے نقط شدند فوراً

از حضور ارشاد شد کل لو میر حسین بزبان عربی بے نقط گفتند کہ اولی واحوط بندہ

بزبان ترکی جواب داد کہ آل یعنی بگیر نعیم بیگ دو معنی جواب بندہ فرمودند کہ صنعتے

برآوردم لفظ بگیر چہار حرف ار دو بے نقط و دو نقطہ دار ایں اگنگا جمنی باید گفت

مجلس چہلم

درلکھنؤ بندہ را از زنکہ طوائف حالت عشق بود از پاس خاطر آں از صاحب خانہ او ربط داشتم وگاہے برائے دیدن او میرفتم مقدورے نبود کہ وصل آں میسر آید وایں راز را بکسے اظہار نمیکردم ہمدریں عرصہ دو سال گذشت روزے از حضور اجازت رفتن از شاہجہان آباد گرفتہ روانہ شدم برائے رخصت بخانہ آں رفتم بسکہ غلبۂ شوق طالب بود بمجرد رسیدن بخانۂ او زار زار بگریستم بے محابا آہ سرد کشیدم صاحب خانہ او پرسید کہ حالت از بہر کیست مطلع حسب حال خود خواندم۔

دیکھتے ہی شکل سب جاتا رہا ہے یاد سے　　حال دل کیونکر کہوں اُس خانہ آباد سے

او گفت درینجا از مدت تشریف می آرند نگفتند کہ از فلانے تعشقے دارم بعد آں ایں غزل بر دیوار خانہ نوشتم۔

اب ہوئی ہمکو سخت حیرانی　　چاہ چتون سے اُسنے پہچانی
نہ رہا میرے پاس پر نہ رہا　　دل کی ہر چند کی نگہبانی
جی کی بات اپنے رہ گئی جی میں　　یوں یہاں سے چلے ہم اے جانی
دیکھیے پھر خدا ملا دے کب　　ہم کو اس فلک نے کیا فانی

جی میں انصاف کیجیے اپنے
تم نے رنگیں کی قدر کیا جانی

مجلس چہل و یکم

درلکھنؤ روزے حضرت مرشدزادہ در باغ لکھیڑہ فتح علی خاں رونق افزا بودند برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں وطالب حسین ونعیم بیگ باہم نشستہ بودیم بندہ اوراق رامی نوشت عوض علی بیگ کہ داروغہ اصطبل حضور بودند آمدہ اظہار کردند کہ یک شعر ابوالحسن خاں یاد بود مصرع اول فراموش شد مصرع ثانی این است

سر پہ آئی فصل گل اور پاؤں میں زنجیر ہے

فوراً این مصرع بخاطرم گذشت۔

اے دل دیوانہ کہہ اب کیا تری تدبیر ہے

مجلس چہل و دوم

درلکھنؤ روزے بخانہ نعیم بیگ وارد گردیدیم اوشاں اظہار کردند کہ شب یک نقل شنیدہ ام شما این را نظم کردہ دہید گفتم ارشاد شود تمامی احوال بیان کردند بندہ آنرا نظم کردہ در ایجاد رنگین نوشت۔ ع نقل کرتے ہیں مسافر ایک تھا۔

مجلس چہل و سوم

بہ فیض آباد در محفل نواب مرزا تقی نشستہ بودیم میر محسن کہ خلیق تخلص میفرمایند

پسر میر حسن بے نظیر وارد شدند بندہ را از کہانی بے نظیر عشق بود بسیار صحیح تحقیق نمودہ نوشتہ ام تاہم چند جا شبہہ داشتم از او شاں احوال چند شعر پرسیدم کہ تشفی گردد

مغرق جواہر سے اک جفت کفش ۔۔۔ نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش

دیگر

کہا اس نے اس سے کہ سچ مچ ہے یہ ۔۔۔ دیا چھیڑنے کو مرے کچ ہے یہ

دیگر

کھڑے ارنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ ۔۔۔ کہ جی کون دیتا ہے بدبد کے ہوڑ

دیگر

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ۔۔۔ نہ ہو مجھ سے مایوس امیدوار

گفتم معنی شعر اول دریافت نمی شود و قافیہ شعر ثانی ہم بطور دیگر یافتہ شد چوں آں صاحب آگاہی میدارند چیزے بہ چیزے بیان نمودند و چند جائے دیگر ہم تسلی نہ شد

مجلس چہل چہارم

در آں ایام روز پنجشنبہ برائے زیارت درگاہ رفتم در آنجا یک کودکے رقص می کرد و ایں مطلع میاں مصحفی میخواند ؎

گل کھا موے تجھ چھنگے لے جسم نزار پر ۔۔۔ وہ پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر

شخصے گفت بریں محمد امان نثار خوب گفتہ است ؎

تم رات کو بھی آئے نہ اپنے قرار پر — یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر

فوراً در جواب دو شعر گفتم ؎

ہم جوں چکور غش ہیں اجی ایک یار پر — بلبل کی طرح جی نہیں دیتے ہزار پر

پا بوس یار کی ہمیں حسرت ہے اے نسیم — آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

مجلس چہل و پنجم

در بنارس بخدمت نواب نصیر الدین خاں پسر نواب علی ابراہیم خاں مالک عدالت آنجا بسیار بندگی داشتم روزے واجد علی خاں و حکیم جعفر و بندہ و چند اشخاص دیگر در خلوت نشستہ بودیم ہر یک در سخن گوئی دستگاہ خوب داشت نواب موصوف ذکر شاعری مرزا رفیع برآوردند و تعریف میکردند شخصے دراں میاں کہ از بندہ کدورتے داشت سخن تا باینجا رسانید کہ مثل اوشاں ممکن نیست کہ پیدا شود گفتم کہ شاعران سابق و حال درد سر ناحق پیدا کردہ اند و گفت ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند — تہی خمخانہا کردند و رفتند

گفتم ایں را ایں طور شنیدہ ام ؎

حریفاں بادہا خوردند و ہستند — تہی خمخانہا کردند و مستند

گفت کجا اند چوں مکرر تکرار کرد ایں شعر سعدی خواندم ؎

جہاں را ندارند بے کتخدا — یکے چوں رود دیگر آید بجا

گفت ایں درحق پادشاہاں ست گفتم ایں درحق شاعراں باشد ؎

ہنوزاں ابر رحمت دُرفشان ست　　　　خم وخمخانہ بامہر ونشان ست

گفت درکلام اوشان غلطی محاورہ وخلل الفاظ اصلا نیست ولہجۂ اُردوے معلی را جلا داده اند وملک الشعرا گذشتہ وحکم آیت وحدیث دارد ودراشعار ہاے دیگر شاعران چند نقصان ست گفتم مقدمۂ شاعری بسیار مشکل ورطب ویابس درکلام ہمہاست ؎

شعر گر اعجاز باشد بے بلند وپست نیست　　　　در ید بیضہ ہمہ انگشتہا یک دست نیست

گفت ایں سواے مرزا رفیع درحق شاعران دگرست ازیں سخن تاب نیاوردم وگفتم کہ مطلع ومقطع غزل اوشاں یاد دارم ؎

نگر آباد ہیں بسے ہیں گانو　　　　تجھ بن اُجڑے پڑے ہیں اپنے بھانو

قیس وفرہاد کا نہیں کچھ ذکر　　　　اب تو سودا کا باجتا ہے نانو

قطع نظر از لفظ نگر وتجھ بن وبھانو قافیہ مقطع را باید دید کہ نام را نانو گفتہ اند پس ایں کلام عربی وترکی نیست کہ درفہم نیاید زبان روزمرہ است گفت کہ اگر در دیوان دریک غزل از غلطی او سہو شده گفتم شعر دیگر یاد دارم ؎

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری　　　　شمع مجلس میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

گفتم بر قافیہ غور باید کرد گفت در زبان بھاکا رڑے راے میگویند وبدل میکنند گفتم دروغ گو را حافظہ نمی باشد اوشاں در زبان ریختہ غزل میگفتند یا در بھاکا مشق میکردند مطلع دیگر یاد دارم ؎

عاشق تو نامراد ہیں بس اس قدر کہ ہم — دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

گفتم بر قافیہ ایں غور باید کرد بعد قطع کلام نواب صاحب بندہ را پسندیدند۔

مجلس چہل و ششم

در بنارس بندہ و برادر مرزا ابراہیم بیگ کہ با بندہ دستار بدل اند و شخصے چند در تہائے طوائف نشستہ بودیم صحبت اختلاط گرم بود ازاں میاں یک زنکہ دست بندہ را گرفتہ پرسید کہ بر دست ایشاں گل برائے کیست پیش او ایں اشعار خواندم ؎

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے — نشانی ہے کسی چھلا تھا یہ چھلے کی نشانی ہے

مجلس چہل و ہفتم

در بنارس روزے مرزا الٰہی بخش کہ از دوستان مرزا ابراہیم اند و از چندے بر قافت مرشد زادہ ترک لباس نمودہ اند ایں مطلع میر حسن مرحوم روبروے بندہ خواندند ؎

منھ کہاں یہ کہ کہوں آیئے اور سو رہیے — خوب گر نیند ہے تو جایئے اور سو رہیے

در جواب ایں مطلع گفتم ؎

میری چھاتی سے لپٹ جایئے اور سو رہیے
آیئے آیئے بس آیئے اور سو رہیے

تمام غزل در دیوان ست۔

مجلس چہل و ہشتم

در عظیم آباد بخانۂ میر غلام علی خاں وارد گردیدیم در شہر شہرت شد کہ شخصے شاعر از شاہجہان آباد آمدہ است روزے پنج شش شاعراں رسیدہ نزد بندہ نشستند شخصے از شاگردان میر ضیاء الدین کہ صبا تخلص میکنند و مشق از مرزا رفیع دارند باپنج چہار کس دیگر رسیدند و بمجرد نشستن فرمودند کہ در شعر دستگاہے خوب داری و اکثر در کلام ہر یکے قباحت می برآری میخواہم کہ چیزے از ایشاں بشنوم و از کلام استاد خود بخوانم تا دراں قباحت برآرند گفتم من عیب جوے خلق اللہ نیستم و خود را مبتدی می انگارم ہر چند عاجزی و کسر نفسی نمودم سود نکرد گفت از اشعار خود بخوانید این غزل خواندم

کس رات مجھے آپ ہیں مہماں ہمارے کب تم نے نکالے کہو ارمان ہمارے

چوں تمام نمودم تحسین نکرد گفت مطلع میر ضیاء الدین میخوانم دراں قباحتے برآرند والا احوال شاعری و شعر فہمی سرکار فہمیدہ شد مطلع خواند

بلبل کو چپکی لگ گئی اور گل بھی ہنسنا بھول گئے گلشن میں کون آیا جو یہ شگوفے پھولے

گفتم مصرع آخری خوب ست گفت مصرع اول بد گفتم مصرع ثانی چیست گفت مصرع اول سست دیدم کہ تیغ سخنم نمی برد و آتشم در ہیزم تر اثر نمیکند گفتم بلے کہ

آہن بہ آہن تواں کرد نرم

گفت چگونہ گفتم چپکی لگ گئی نہ فہمیدہ ام گفت یعنی چپ لگ گئی گفتم ایں نثر کر ارشاد

می شود زبانِ اہلِ کشمیر ست گفت او در بحر چگونہ موزوں شود گفتم در خیالش نیامد والا

ایں طور می شد

بلبل کو لگ گئی چپ اور گل بھی ہنسنا بھولے

باز گفت کہ شعر سرِ دست بزبان آمد گفت اگر دریں شعر قباحتے برآرند بدانم ؎

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے   کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

گفتم در شعر ہندی ہر جا تمثیل می آرند معمول ست کہ مقابل جوں یوں ایسے جیسے واِس

طرح جس طرح ضرور می آرند کہ شعر بے رونق نہ گردد چنانچہ غزل بندہ است ؎

سیہ خال اُس کے یوں رخسار پر ہیں کان کے آگے

ملنگ اڑ جا رہے ہیں جیسے کسی دوکان کے آگے

غزل تمام در دیوان است گفت آں لفظ در بحر گنجایش نداشت گفتم ایں قسم میتواند شد

اشک آکر چشم میں یوں تھم رہے

گفت لفظ ڈبڈبا از دست می رفت گفتم ایں قسم باید گفت ۔

ڈبڈبا کر اشک پھر یوں تھم رہے

سوائے ایں مصرع ثانی را چہ باید کرد کاسۂ نرگس سرنگوں میباشد شبنم دراں چگونہ

قرار گیرد بمجرد شنیدن ایں آواز آفریں از مجلس برخاست و مدعی وقت یافتہ گریخت

مجلس چہل و نہم

در عظیم آباد درانجا وارد گردیدم کاظم علی خاں پسر نواب فخر الدولہ از کمال تیاری

ضیافت بندہ فرمودند ارباب نشاط و مردم دیگر بسیار بودند بعد فراغت طعام و رقص و
ذکر شعر شاعری بمیان آمد خان موصوف فرمودند کہ چیزے از تصنیف خود بخوانید اشعار خواندم

ہوا نکلتی ہے جراح زخم سینے سے
بس اب تو ہاتھ اٹھا ظالم اسکے سینے سے

تمام غزل در دیوان ست محمد قلی خاں کہ راغب تخلص میکنند تشریف داشتند بعد اتمام
غزل گفت کہ مراد مطلع غزل تامل ست گفت ہر گاہ کہ از زخم ہوا بر می آید می میرد پس
بعد مردن چگونہ این مصرع بر آید گفتم جائے تامل نیست مضمون پیش پاست اگر بفرمایند
ہزار شعر ہندی و فارسی در سند بخوانم یکے این ست ؎

مردہ ام لیک غم روے تو دیدن باقیست
از فراق تو یکے آہ کشیدن باقیست

کاظم علی خاں از بندہ فرمودند کہ محمد علی خاں در تماشا شرابند آنصاحب گراں خاطر شوند گفتم تعیین ست

مجلس پنجاہم

در عظیم آباد از طوائف زنے دلبستگی داشتم روزے بخانہ او نشستہ بودم خواستم
کہ برخیزم رفتن نداد یک بار این مطلع خواندم ؎

ہو مجکو جو رخصت تو ابھی ہو کے پھر آؤں
جا گھر کو یہ کہ منہ سے میں صدقے ترے جاؤں

گفت کہ صلاح شعر ہمین ست کہ برو۔

مجلس پنجاہ و یکم

در عظیم آباد مہر علی خاں بسیار دوست بندہ بودند و از گیت و دہرہ شوق زیادہ داشتند

پیش بندہ ایں کبت خواند۔

جا و نری گھر بیٹھ رہو کن پاری ہو ہیچ بتھاون کو

آنے دے تو ہیگی البیلی للا انھیں کون کہے سمجھاون کو

اُن کے رس میں رس ریت نہیں رس ریت ہو ریت جتاون کو

لے جی پیاسے کنواں پر جاتے ستے نکہ آوے کنواں مجھے پیاون کو

اگرچہ بندہ دریں فن دستگاہے نداشت برائے تفنن طبع ایں کبت بدیہہ درجواب گفتم

ایسے ہیتم موسے رو س رہے ہیگی ٹھاری ہو جاوں ہے لاؤ سکھی

اٹھکیل ہیں وے البیلی للا ون ہیں کونو طرح سمجھاؤ سکھی

بمجرد شنیدن ایں را نوشتہ گرفتند و گفتند چند دوہرہ بخوانید چند دوہرہ خواندم۔

رنگیں بیا کل رہت ہیں جب سے لاگی پیت | پیم نگر کی اے سکھی دیکھی اُلٹی ریت

رنگیں آئے نہ آسے سکھی بھلے گئے پردیس | نگر نگر اب ڈھونڈھتی کر جوگن کا بھیس

مجلس پنجاہ و دوم ۵۲

در عظیم آباد کہ میلہ کھاٹوں می شود دراں تمام مردم وضیع و شریف وزن و مرد درباغہا رفتہ چند روزی مانند و رقص و تماشای بینند بندہ راکہ از چندیں صاحبان آنجا ربط شدہ بود باہم در سیر کھاٹوں بہ باغہا رفتہ گلگشت می نمودم بمکانیکہ نواب شجاع قلی خان ولد نواب منیر الدولہ نشستہ بودند روبروے اوشاں امام بخش بھانڈ کہ در شوخی رقص

و خواندن آفت زمانه بود و نقلها عجیب عجیب میکرد بھانڈ مذکور بخدمت نواب عرض نمود که غزل ریختیها بسیار شنیده اند اگر حکم شود ریختی بخوانم فرمودند ریختی چه معنی دارد عرض کرد که رنگین نام شاعرے در شاہجہان آباد دریں ایام ایجاد کرده است یعنی بزبان بیگمات غزلها گفته ریختی نام نهاده است ۔

ٹیس پیڑو میں اٹھی اوہ مری جان گئی ۔۔۔ مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی

اشخاصاں که دراں تماشا همراه بنده بودند پرسیدند که این تصنیف ایشان ست گفتم بلے یک دیوان گفته ام مع قصیده مثنوی و فرد و رباعی و قطعه و مخمس و مستزاد و بسیار خندیدند القصه نظر نواب صاحب بر ما افتاد طلبیده به تواضع پیش آمدند و نزد خود جا داد و از بنده فرمودند که این ریختی ایجاد ایشان ست گفتم بلے امام بخش را طلبیده به بنده گفتند که کدام غزل ریختی دیگر بخوانید این غزل خواندم ۔

مجھ پہ طوفان نہ دے چاہ کا چل دور دوا ۔۔۔ جھوٹ سے منہ کا ترے جائیگا اڑ نور دوا

این غزل نویسانیدم امام بخش عرض کرد اعتبار نیست شاید کسے دیگر باشد غزل تازه همین وقت بگویند فی الفور این غزل گفتم ۔

شکل جو آپ کی یاد آتی ہے ۔۔۔ تو اجی روح نکل جاتی ہے

وہ تو ہوتی نہیں ہے کم بخت

بات جو دل کو مرے بھاتی ہے

این غزل در دیوان ست ۔

مجلس پنجاہ و سوم

در مرشدآباد بخانہ حکیم رضا قلی کہ اوشان حکیم تخلص میفرمایند و شاگرد میر سوز اند همراہ محمد خاں وارد گردیدند و ذکر اشعار میر مذکور میاں آمد در وصف ایشان سخن باینجا رسانید کہ برابر بول چال آنہا کسے نیست شخصے از میاں گفت کہ در کلام میر سوز لفظ قباحتے کہ بطرف خود عائد میشود می آید گفتم در کلام اوشاں وگر قصور ست آشفتہ بر آشفتہ گفتند کہ قطعہ از استاد یاد آمدہ است از نقصان اطلاع دہند گفتم چہ ضرورست کہ بے ادبی در کلام بزرگ میشود معاف دارند ہرگاہ بجد شدند و ایں قطعہ خواندند ~

میں کہا دل ہیں درد ہے میرے — ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

پھر جو کچھ جی ہیں آگیا تو کہا — ہمیں پٹئے اگر دوا نہ کرے

گفتم در مصرع اول ہیں کہا غیر فصیح ست و در مصرع دوم دریافت نمی شود کہ کلام کس خندیدہ گفت

ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

اگرچہ خطاب بمعشوق ست لیکن پوشیدہ است۔

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا

یہ دریافت نمی شود کہ در دل کدام ست و در مصرع چہارم لفظ پٹئے استعمال زبان زناں ست مرداں لفظ پٹئے بر زبان نیارند روز دوم چند قطعہ در جواب آں مرد پسند فرمودند

قطعہ

روٹھ کر میں جو اُٹھ چلی رنگیں ہو کے وہ بیقرار دوڑے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے ہائیں ہے ہے کرے جو آگے جائے

قطعہ

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے بولے رنگیں کہ ہم تو بھول گئے
اُن کے مُنہ سے یہ بات سُنتے ہی بس مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

مجلس پنجاہ و چہارم

در مرشد آباد مرزا بھجو کہ پابندہ دستار بدل شدہ اند پسر ناصر محمد خاں از طرف نواب ببر جنگ پسر نواب مبارک الدولہ کہ صوبہ دار مرشد آباد ست شعر میر تقی را نزد بندہ خواندہ امتحاناً فرمایش جواب کردند ؎

کیا کہیں اپنی سخت جانی کی ہم نے مر مر کے زندگانی کی

بدیہہ در جواب ایں مطلع گفتم و در کلکتہ رسیدہ غزل سر انجام نمودم ؎

روح نے جسم پر گرانی کی اب یہ حالت ہے ناتوانی کی

مجلس پنجاہ و پنجم

در مرشد آباد مرزا لکھو کہ از دوستان مرزا بھجو بودند مطلع میاں نثار پیش بندہ خواندند

و داد خواستند ـ ؎

بولا جو پکار ایں کیا خانہ خرابی کی — میں آپ ہی آ رہتا کیوں تم نے شتابی کی

بندہ فی الفور دو شعر گفت ـ ؎

اشک آنکھوں سے برسائے وہ چشم گلابی کی — اِس دل کے اٹکنے نے کیا خانہ خرابی کی

کچھ شعلے سے اُٹھتے ہیں اور جی کو جلاتے ہیں — سینے میں مرے دل ہے دوکان کبابی کی

مجلس ۵۶ پنجاہ و ششم

در مرشد آباد مردمان برای بیڑہ در کشتیہا سوار شدہ میروند تمام شب ہزار ہا بجرہ و پالکی وگھڑ دوڑ و گھی در دریا میگردند ہمہ چیز در آنہا مہیا می باشد ہر کس تماشای آتشبازی و روشنی می بیند و بیڑہ مثال تعزیہ صد ہا بیڑہ از بانس درست کردہ زیر آنہا کوزہای گلی میچسپانند سی سی گز طول و پانزدہ پانزدہ گز عرض و شش گز دو منزلہ سہ منزلہ تیار می نمایند و پائین و بالای آنہا چراغہا و کنولہا و اندرون فرش و روشنی شمعہا کہ از میان آنہا دمبدم آتشبازی سر میشود و جھاڑہای بلوریں و پوشش از تمامی و پارچہ وغیرہ می کنند و در آں رقص می نمایند و از پای سقف آتشبازی انار پھولجھڑی وغیرہ سر میشود و درازی مرشد آباد و بنگلہ شش کردہ ست در میان ہر دو شہر ہا از روشنی و بیڑہا یک وجب جای خالی نمی ماند بندہ ہم در یک کشتی سوار گشتہ سیر می نمود در یک بجرہ مراد بخش طوائف پیش کسے عمدہ غزل جرأت می خواند ؎

روزِ غم آگ لگ اُٹھنے کا یہاں رہتا ہے　　جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے

بندہ را خوش آمد در جواب مطلع غزل گفتم

اُسنے پوچھا کہ ترے درد کہاں رہتا ہے　　دل پہ رکھ ہات کہا میں نے یہاں رہتا ہے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ چندے اوقات بسر کردہ ارادہ حج کردم نود روپیہ کرایہ صرف ذات خود دادہ در جہاز نشستہ در عرصہ ہشت روز از کھجوریا و کیلا کانجی کہ نام آب ست گذشتہ بہ سرحد دریائے شور کہ از کلکتہ دو صد کروہ ست و روزانہ جہاز راہ میرود و در جہازے کہ بندہ نشستہ بود نود گز طول و بیست گز عرض و بیست گز بلندی بود جہاز ہر قدر کہ طول دارد چہارم حصہ بلندی و عرض دارد و خلاصی بر آں بسیار و سہ مستول و در ہر مستول دہ دہ بادبان بستہ گندگی مستول آں قدر کہ در بغل جوان نیاید و ریسمان لنگر از موہائے ناریل بصد گز درازی و دو وجب در گندگی و لنگر آہنی سی من وزن دارد و لک من بار جہاز می بردارد و نصفے مال تجارت و باقی بار خورش و آب وغیرہ سرانجام جنگ دو ناخدا و چہار معلم بودند صعوبات بسیار کشیدم از تکان صدمہ دوران سر شدہ بود و خوراک خشکہ و ماہی بے روغن و بے نمک و آب قدریکہ تشنگی ہم نمی رفت و از آب شور خارشت پیدا شدہ بود از زندگی سیر آمدہ بودم شیخ کریم اللہ در جہاز ہم سفر بودند تمرہندی میخوردیم و از خارشت بجاں آمدیم دراں وقت ایں شعر گفتم

دم آیا ناک میں اِس آہ اور زاری کے جینے سے　　طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

غزل در دیوان ست و ناخدا گفت کہ امسال بکعبہ نخواہم رفت تجارت بصرہ خواہم کرد ما کہ ارادہ حج داشتیم منت نمودیم بر مایاں رحم آوردہ از مندراج باز بہ کلکتہ روانہ کرد از مکانیکہ برگشتم کعبہ چہل روز راہ ماندہ بود حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نکناد۔

مجلس پنجاہ و ہشتم

در کلکتہ روزے برائے سیر سڑک بسیاری بی صاحبان انگریز بر بگھی و پینس وغیرہ سوار شدہ برائے ہوا خوردن میر فتند رفتہ بودم شخصے در بازار مطلع مرزا رفیع میخواند ؎

گو غنچہ ساں گرہ میں نی جمع زر کرے　　آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

بندہ فی الفور ایں قطعہ گفت۔

جو کوئی آکے باغ جہاں کی بہار میں　　اک دم بھی مثل باد صبا کے گذر کرے
رنگیں بقول حضرتِ سودا خزاں سے وہ　　آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

مجلس پنجاہ و نہم

در کلکتہ دو شخص بر اشعار میر تقی نزاع داشتند یکے میگفت کہ در وصف اوشان مرزا رفیع گفتہ است ؎

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہ　　ہونا ہے تجھ کو میر سے اُستاد کی طرف

دومی گفت ایں ہجو ملیح ست مرزا گفتہ ؎

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ ایداز کیا جانے

ہر دو نزد بندہ آمدہ یکے گفت شستگی الفاظ و محاورہ اوشاں خوب ست یکے ایں شعر خواند ؎

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں میر ادھر تو مجھسے بت پھرا اودھر خدا پھرا

و گفت شستگی الفاظ ملاحظہ فرمایند بندہ گفت اوشان الفاظ را در شعر بہ تنگی نشست میفرمایند

شخص اولیں گفت ایں گل دیگر شگفت و گلوگیر بندہ شد ہر چند خود را کشیدم مخلصی ندیدم

ناچار ایں دو شعر میر خواندم ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھسے سجود میں رہتے ہیں

بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام

کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

مجلس شصتم

در ڈھاکہ مرزا علی تجارت پیشہ اند و شوق شعر دارند بخانہ اوشاں رفتم و در عین

اختلاط یک نقل پوربیہ بیان کردم تمام نقل شنیدہ مجوز شدند کہ ہمیں وقت در نظم گفتہ دہند

بخاطر شان نظم کردم ع اتفاقاً پور بی تھے یار دو۔

در ایجاد رنگیں ملاحظہ فرمایند۔

مجلس شصت و یکم

در جهانگیرآباد روزے نزد مرزا علی مع چند شخص دیگر نشستہ بودیم مرزا فرمودند

کہ کدام مخمس بخوانید خواندم۔

اُسکی وصل پر موقوف اپنی زندگانی ہے دم کا کیا بھروسا ہے یہ جہان فانی ہے

آرزو ہے ملنے کی عالم جوانی ہے ہجر کی اندھیری شب کیا غضب ڈرانی ہے

آج اُس کا یہاں آنا عین مہربانی ہے

تمام در دیوان ست مع مخمس دوم گفتم۔

مجلس شصت و دوم

در ڈھاکہ مرزا عزیز و شیخ ہدایۃ اللہ و میر جاگن و بندہ در کشتی سوار بودیم مرزا گفتند

کہ آنصاحب چند شاگرد دارند گفتم موئنث مذکردہ کس باشد گفتند در شاہجہان آباد زن

ہم شعر میگوید گفتند کہ چیزے از شعر زنان بخوانید اولاً چند شعر میر سید علی غمگین خواندم

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

جنوں نے چاک کیا ہی پھر اس گریباں کو نہیں ہے فائدہ ناصح اب اسکے سینے سے

جو خاص بندے ہیں اُسکے اُنھیں سوا اُس کے نہ کام مال سے مطلب نہ کچھ خزینے سے

سوا تمھارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام نہ تم سے غیر لگاتے ہیں آ کے کینے سے

اب اس قدر مجھے اس عشق نے ستایا ہے　　کہ تنگ آیا ہوں غمگیں میں اپنے جینے سے



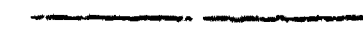
بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں　　پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں



مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا　　آخر اُس شوخ نے جلا مارا



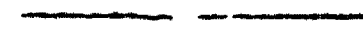
شمع ترا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے　　داغ جگر پر عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے



میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا　　بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا



مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے　　نکلتا اشک جو آنکھوں سے ہے سو ارغوانی ہے



از مشق بسنت سنگھ نشاط خواندم سہ

دل لٹک کر زلف میں اُلجھا ترے بالے کے ساتھ　　جز سیہ بختی پھر لیگا وہاں سے وہ کیا لے کے ساتھ
جا لگا دل شاید اُس آفت کے پرکالے کے ساتھ　　آگ کے شعلے نکلتے ہیں جو ہر نالے کے ساتھ
ہے تصور میں ذقن کے دیکھ ڈانوا ڈول وہ　　مت گرا اتنی کھینچ اپنے چاہنے والے کے ساتھ
وادیٔ غربت ہوا رشکِ ہزاراں گلستاں　　کی ہے کاوش خار نے ہر پاؤں کے چھالے کے ساتھ

دل چل اب منظور کر سیر بہت پنجاب ہی
مستعد چلنے پہ ہیں سرہند و انبالے کے ساتھ

دیکھتے ہی اُسکے سوجھی مجکو سیر لامکاں
عالم بالا نظر آیا ترے بالے کے ساتھ

پیچ مت کھا حلقۂ گیسوئے مشکیں کا نشاط
ناگہانی حادثہ ہے کھیلنا کالے کے ساتھ

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا
ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پیامبر یہی کہیو تو ماجرا دل کا
کہ نا نوشتہ ہی بہتر ہے مدعا دل کا

جسے چاہے ہی یہ دل وہ قیامت خوبصورت ہے
پری ہی حور ہی تصویر ہی محبوب صورت ہے

ہم تو اب تک شہ پھرے ہاں وفا سے اپنے
جو کیا تم نے سو تم پاؤ خدا سے اپنے

اِس دل وحشی کو گر چھوڑے گی پھر زنجیر زلف
دام تھا ہی سبزہ خط اور اب ہوئی زنجیر زلف

از انتخاب آفتاب خاں منیر خواندم سے

ہے ہمارے یار کو اوروں سے اکثر اختلاط
ایک ہم سے ہی نہیں رکھتا ستمگر اختلاط

اِس طرح دل کو محبت تجھ سے ہی اے شعلہ خو
جس طرح آتش سے رکھتا ہے سمندر اختلاط

واہ واہ اے دلبرِ بے مہر سرکش تو مدام ... ہم پہ کرتا ہے ستم غیروں سے اکثر اختلاط
بے ترحم بے کرم بے مہر کوئی اے صنم ... کس توقع پر کرے اب تجھ سے آکر اختلاط
آتشِ حسرت سے ہو جاتا ہے دل جلکر کباب ... اُس لبِ میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
اژدۂ غم سے جگر ہوتا ہے میرا چاک چاک ... کرتی ہے شانے سے جب زلفِ معنبر اختلاط
اُسکے ملنے سے ہوا رُسوا جہاں میں اے نیر ... ہم نہیں کہتے تھے تجھ کو آتو مت کر اختلاط

یار کا کچھ وصف خط کرنہ سکے نگار رقم ... کیسا ہی گو آپ کو آپ تراشے قلم

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کرے ... کنگھی کے دانت توڑ کے اپنی زباں کرے

مکتب میں تجھے دیکھ کے بیہوش سبق ہے ... ہر طفل کے یہاں اشک سے آلودہ ورق ہے

از مشق محمدی خاں خواندم سے

یاد جس وقت تری آتی ہے ... مجکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے
قدر انسان کی تب آتی ہے ... جان جب اُسکی نکل جاتی ہے
بولتے مجھ سے نہیں وہ ہیہات ... وصل کی شب یہ چلی جاتی ہے
غیر آتے ہیں نہیں پردہ کچھ ... مجکو یہ خو تری کب بھاتی ہے

قتل کرتی ہے وہیں ہجر کی شب جب وہ صورت مجھے دکھلاتی ہے
گردشِ دہر اس ہوئی ہے جان سانگ اب دیکھیے کیا لاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

دل ہمارا جو اس پہ مرتا ہے کب خبر اس کو کوئی کرتا ہے

از راجہ کدارناتھ کہ نسیم تخلص میکنند خواندم

آتی ہیں یاد جس دم اس ماہرو کی چاہیں لیتا ہوں سانس ٹھنڈی بھرتا ہوں گرم آہیں
مشکل ہوا ہے ہم کو اب دیکھنا بھی اس کا لڑتی تھیں اپنی جس سے دن رات یہ نگاہیں
کیونکر ہو چین اس بن صحبت ہو جس سے ایسی چھاتی سے لگتی چھاتی باہوں کے ساتھ باہیں
آسان نہیں قدم کو اس سرزمیں میں رکھنا ہے سخت منزلِ عشق اسکی کٹھن ہیں راہیں
امید وصل ہی میں ہو گا وصال اک دن کب تک نسیم اسکی فرقت میں ہم کراہیں

مسی مالیدہ دنداں یار کے یکسر چمکتے ہیں تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

کیوں آپ ہم سے ناحق ایں دنوں خفا ہیں چاہت کے ہم ہیں بھوکے الفت کے آشنا ہیں

ہے جب سے چھپا ہم سے دلارام ہمارا پاتا ہی نہیں تب سے دل آرام ہمارا

گھٹا کیونکر نہ اب اس ویدۂ گریاں سے گھبراوے وہ برسے ایک پل یہ رات دن یاں ساون بھادو

گرم الفت دل ہو اُس آتش کے پرکالے کے ساتھ آہ سوزاں دمبدم نکلے ہے ہر نالے کے ساتھ

از راجہ شنکر ناتھ کہ صبا تخلص میفرمایند خواندم ہ

بیاں کیا کیجیے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا میاں جاتے ہو تم یہاں سے عجب یاں الم ہوگا
تمھاری یاد میں گذریگا مجکو رات دن روتے نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا
اگر تو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا
تو ہی بے رحم ہے جو تجکو رحم آتا نہیں مطلق جو کوئی اور دیکھے گا مجھے وہ چشم نم ہوگا
غلط سمجھا ہے تو پیارے رہے یہ دو کیا امکاں قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایک دم ہوگا
ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ کوئی دن کو جو دیکھو گے تو یہ رشک ارم ہوگا
صبا کس واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تو اپنے لکھا لایا ہی جو قسمت میں کب وہ بیش و کم ہوگا

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا دیکھو یہ حال میرے دل بیقرار کا

باغ میں جب وہ نوجوان گیا | سرو کا قد پہ اُس کے دھیان گیا

کوئی دم باقی تھا اُسکا سو ٹک کر رہ گیا | تیغ ابرو کا تری گھائل سسک کر رہ گیا

بے سبب ہرگز نہیں ہے پیار کرنا یار کا | دیکھیے ہے کیا ارادہ اُس بت عیار کا

ز دیوان عالم نسا کہ نہاں تخلص میکند خواندم

اس آہ نے ہماری آخر یہ کی رسائی | ظلم و ستم وہ بھولا اور ہم سے کی وفائی
کچھ شک نہیں ہے اسمیں یہ میں سمجھ رہی ہوں | ایک روز پھر کرے گا آخر وہ بیوفائی
بوسہ جو میں نے مانگا کہنے لگا وہ ہنسکر | چل دور تو نے ہی آ بکواس کیا لگائی
یہ سُن کے آئی وحشت میں گھر سے بھاگ نکلی | زنجیر پاؤں پڑ کر پھر گھر میں اپنے لائی
کہتے تھے لوگ مجھکو دیوانہ دل تو نہاں | جیسا کیا تھا میں نے ویسی سزا ہے پائی

دل ہم نے دیا تھا تجھے دلدار سمجھکر | تھا ہم نے لیا عشق کا آزار سمجھکر
ایسا ہے وہ ظالم کہ عیادت کو بھی گاہے | آتا ہی نہیں یہاں مجھے بیمار سمجھکر
تو ایک ہی مچلا ہے کہ قائل ہیں ترے ہم | سنتا نہیں پھر بات کو یکبار سمجھکر

پہلا یہ ثمر دیگا محبت کے شجر کا ‏‏ روتے ہیں جو یہ دیدۂ خونبار سمجھکر
تو عشق کے پھندے میں پھنسنا کہیں ناداں ‏‏ نادان نہ ہونا کبھو زنہار سمجھکر

تجھ بن تڑپ رہا ہے یہ بیمار بے طرح ‏‏ ہے غم سے آج دل کو سروکار بے طرح
یارب یہ درد کیا ہے کہ جسکا ہے نام عشق ‏‏ دل کو لگا ہے اپنے یہ آزار بے طرح
دلدار اُسکو سمجھے تھے ہم خوب سوچ کر ‏‏ آخر کو نکلا وہ تو دل آزار بے طرح
محفل میں میں نے اُسکی جو جا کر کیا گذر ‏‏ دیکھا تو ہے نشے میں وہ سرشار بے طرح
مذکور میں نے پھر جو کچھ اس بات کا کیا ‏‏ بگڑا بہت ہی مجھسے وہ خونخوار بے طرح
یارو خدا ہی خیر کرے اُن کی جان کی ‏‏ نہاں ہوے ہیں اُنکی گرفتار بے طرح

بعد آں عرض کردم کہ شخصے از عالم نسا بتخلص وارد و در مزاج آں شوخی کمال ست روزے چند غزل براے اصلاح فرستادہ و چند غزل ریختی ازیں جانب طلبیدہ بود بندہ ایں غزل فرستادہ ؎

مُیں پیڑو میں اُٹھی اوہی مری جان گئی ‏‏ مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی نہ تھا ‏‏ ہاتھ ملتی ہوں تری بات کو کیوں مان گئی

و جملہ غزل در دیوان ست در جواب ایں غزل از راہ شوخی نوشتہ فرستاد ؎

کبھو کہتا ہے تو دل اور کبھو جان گئی ‏‏ جھوٹی باتیں ہیں مری جان یہ میں جان گئی

ہیجڑا پن کو ذرا چھوڑ کے مردی پکڑو
کچھ یہ بولی ہے کہ اے واہی مری جان گئی

جی میں کچھ اور نہ لے جائیو واری تیرے
تو تو شاعر ہے بڑا میں تجھے پہچان گئی

تیر کی طرح تری بات مرے جی کو لگی
تیری رنگینی پر ان شعروں کے قربان گئی

جان نعیم کو تو بس اپنی ہی لونڈی رنگیں
صدقے ہر دم ترے واری ترے ہر آن گئی

ہر گاہ ایں غزل نوشتہ بہ بندہ فرستاد ہماں وقت بر پشت آں در جواب نوشتہ فرستادم

کس نے لکھا تھا تمھیں دل گیا او جان گئی
مجکو کیوں لکھتی ہو تم میں تجھے پہچان گئی

ہیجڑا مجکو تو کہتی ہو خبردار رہو
وقت پر کہیو نہ بس کر ترے قربان گئی

جسکو رکھتا ہوں اسے دیتا ہوں سادہی خرچی
نخرا پھر کرکے میں کہتا ہوں مری جان گئی

پڑھ کے اس شعر کو تیرے تو ہوا تھا میں خفا
کچھ بھی بولی ہے کہ اے واہی ری جان گئی

پر وہیں ہنس پڑا جب میں نے پڑھا یہ مصرع
تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی



از اشعار عزیز طوائف کہ عزیز تخلص میکند خواندم

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے
ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں سو بار
ہم تمھیں لاکھ بار دیکھیں گے



اس کتاب میں جن آدمیوں اور جن شہروں کا ذکر آیا ہے اُن کے نام دو فہرستوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں۔ شاعروں کا تخلص اُن کے نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اس لیے اس فہرست میں اُن کا تخلص نام سے پہلے رکھا گیا ہے اور ترتیب میں اُن کو تخلص کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔ ہر نام کے سامنے اُن مجلسوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ نام آیا ہے۔

اسمار الرجال

اسماء البلاد